مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۹ | شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ | مئی ۲۰۱۸ء | شمارہ ۵

روح القیام

تراویح کی حقیقت و روح

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے　　زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

روح القیام
(تراویح کی حقیقت وروح)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	تراویح کی اہمیت	۱۰
۳	گناہ کا نقصان	۱۱
۴	مشاہد کا اثر	۱۱
۵	حکماء وصوفیاء کے علم میں فرق	۱۲
۶	صحبت کا اثر	۱۳
۷	عارفین کا حال	۱۵
۸	ذات باری کی معرفت کا درجہ واجبہ	۱۵
۹	کفن چور کی حکایت	۱۶
۱۰	اشکال کا جواب	۱۷
۱۱	اعرابی کی حکایت	۱۷
۱۲	تصور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر	۱۸
۱۳	بیس رکعت تراویح پر اجماع	۱۸
۱۴	آٹھ رکعت تراویح کی حقیقت	۱۹
۱۵	بیس رکعت تراویح کی عقلی دلیل	۲۰
۱۶	فضل باری	۲۱
۱۷	دنیوی بادشاہت کی قیمت	۲۲

۱۸.....	لطیفہ.....	۲۳
۱۹.....	اہتمام تراویح کی ضرورت.....	۲۴
۲۰.....	تراویح اور تہجد میں فرق.....	۲۵
۲۱.....	رمضان کی مخصوص نماز تراویح ہے.....	۲۵
۲۲.....	عبادات میں روح اور صورت دونوں ضروری.....	۲۶
۲۳.....	جعلی پیر.....	۲۷
۲۴.....	بے نمازی پیر.....	۲۷
۲۵.....	نماز کی بے قدری.....	۲۸
۲۶.....	نماز کی صورت مثالی.....	۲۸
۲۷.....	مشابہت کا فائدہ.....	۲۹
۲۸.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز.....	۳۰
۲۹.....	استغراق اور خشوع میں فرق.....	۳۰
۳۰.....	لوازم عشق.....	۳۱
۳۱.....	عشق حقیقی کے حصول کی تلقین.....	۳۲
۳۲.....	محبت کا تقاضہ.....	۳۳
۳۳.....	عشق کا مقتضی.....	۳۴
۳۴.....	ادائیگی نماز میں کوتاہی.....	۳۵
۳۵.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں اعتدال وانتظام...	۳۶
۳۶.....	مشق کی ضرورت.....	۳۷
۳۷.....	تربیت اخلاق.....	۳۹

۳۸.....	درستی اخلاق کی مثال.....	۳۹
۳۹.....	آج کل کے مریدین کا حال.....	۴۰
۴۰.....	مریدین کا برتاؤ.....	۴۱
۴۱.....	ہماری نماز بیکار نہیں.....	۴۲
۴۲.....	اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی.....	۴۳
۴۳.....	رکوع سجود میں اعتدال.....	۴۴
۴۴.....	جہانگیر ونور جہاں کی حکایت سے استدلال.....	۴۴
۴۵.....	روح کے معنی کی تحقیق.....	۴۶
۴۶.....	روح نماز.....	۴۶
۴۷.....	صورت نماز کا فائدہ.....	۴۷
۴۸.....	اعمال کا اثر.....	۴۸
۴۹.....	قیامت میں اعمال کا ظہور.....	۴۹
۵۰.....	نماز کی روح کے ظہور کی تمثیل.....	۵۰
۵۱.....	تدریس میں اہتمام سہولت.....	۵۱
۵۲.....	حقیقت ذکر.....	۵۲
۵۳.....	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے بھائی کا مقام.....	۵۳
۵۴.....	ذکر اور فناء الفناء کی حقیقت.....	۵۴
۵۵.....	ایک جاہل کی حکایت.....	۵۵
۵۶.....	مولوی محمد عمر بن مولانا اسماعیل کی حکایت.....	۵۵
۵۷.....	مجتہدین کا ادب.....	۵۶

۵۸.....	مجتہدین کا بلند مقام.....	۵۶
۵۹.....	آج کل کے مجتہدین کا حال.....	۵۷
۶۰.....	حکمتوں کا منشا.....	۵۸
۶۱.....	فقہاء کی دقت نظر.....	۵۹
۶۲.....	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دقت نظر.....	۶۰
۶۳.....	اقامت صلوٰۃ کی علت.....	۶۰
۶۴.....	ذکر صلوٰۃ کے معنی.....	۶۱
۶۵.....	حضور قلب فی الصلوٰۃ کی حقیقت.....	۶۲
۶۶.....	روح نماز کی حقیقت.....	۶۳
۶۷.....	رمضان میں تلاوت قرآن.....	۶۴
۶۸.....	ضمیمہ روح القیام (بعد نماز عصر).....	۶۵

وعظ

روح القیام

(تراویح کی حقیقت وروح)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم .اما بعد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''روح القیام'' ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھ کر سوا تین گھنٹہ تک ارشاد فرمایا مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب لکھنوی نے قلم بند فرمایا حاضرین کی تعداد تقریبا ۲۰۰ تھی۔

موضوع تھا قیام اللیل یعنی تراویح کی روح وحقیقت ۲۰ رکعت تراویح کو عقلی نقلی دلائل سے ثابت کر کے ۸ رکعت تراویح پڑھنے والوں کی غلطی کو ظاہر فرمایا۔اسی ضمن میں نماز وتصوف کی حقیقت کو بھی تفصیل سے واضح فرمایا۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلیل احمد تھانوی

۶ مارچ ۲۰۱۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى○ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾(۱)

تمہید

یاد ہوگا کہ اس جمعہ کو میں نے صوم کی روح کا مضمون بیان کیا تھا اور ایک قاعدہ کلیہ بھی بتلایا تھا کہ ہر عبادت کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے چنانچہ صوم کی روح مجاہدہ ہے اور مجاہدہ کا حاصل مخالفت نفس ہے ہر چند کہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہ تھی مگر اس لئے اعادہ کردیا تا کہ اس پر تنبیہ ہوجائے، نیز آج کے مضمون سے ارتباط ظاہر ہوجائے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح صوم کی ایک روح ہے اسی طرح ہر عبادت کی ایک روح ہے۔ مجھ کو اس وقت ہر عبادت کی روح بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ نہ اس وقت اس کی ضرورت ہے اور نہ فرصت ہے۔ البتہ ان

(۱) ''اور میں نے تم کو (نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے سو جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سن لو (وہ یہ کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو'' سورۂ طٰہٰ: ۲۰/۱۳۔۱۴۔

عبادات کی ارواح بیان کروں گا جو رمضان سے متعلق ہیں اسی وجہ سے صوم کی روح کا بیان کیا گیا تھا کہ یہ رمضان کی سب سے بڑی عبادت ہے، اب بھی ان ہی عبادتوں کا ذکر کیا جائے گا جو رمضان کی خصوصیات سے ہیں اور ان کی خصوصیت نصوص سے(۱) ثابت ہے، ان میں سے ایک عبادت نماز ہے اور ایک قرآن ہے۔

تراویح کی اہمیت

اور دونوں سے زائد اس میں ایک نئی نماز سنت قرار دی گئی ہے اور عبادتیں بھی بڑھ سکتی تھیں ان سب میں نماز کو بڑھانے سے معلوم ہوا کہ اسے رمضان سے خصوصیت ہے جو اور کسی عبادت کو نہیں اس کا نام تراویح ہے اس کا پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ روایات سے اس کا مرغوب فیہ ہونا(۲)، مامور بہ ہونا، معمول بہ ہونا، مطلوب ومقصود ہونا محمود ہونا سب ثابت ہے۔ خود آپ کے فعل سے بھی اس کے بعد صحابہؓ کی مواظبت سے بھی۔ اس لئے محققین نے اسے سنت موکدہ لکھا ہے۔ گو آپ سے یہ ثابت ہے کہ تین شب کے بعد آپ تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے اس کے تم پر فرض ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اندیشہ فرضیت کا نہ ہوتا تو آپ کا عزم تھا تشریف لانے کا، اور عزم بجائے فعل کے ہوتا ہے۔ پس جب آپ نے عزم کیا تو اس سے بھی تاکد(۳) ثابت ہوجائیگا جیسا کہ فعل سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے سنت موکدہ ہونے کی ایک یہ تقریر ہے جو اپنے عنوان کے اعتبار سے نئی ہے اور جو عنوان اس کا مشہور ہے وہ یہ ہے کہ مواظبت دو طرح پر ہے ایک حقیقی دوسرے حکمی، مواظبت حقیقی تو یہ ہے کہ کسی فعل کا دوام حسّا(۴) واقع ہوا ہو مثلاً ظہر کی سنتیں ہیں، فجر کی سنتیں ہیں۔ مواظبت حکمی یہ ہے کہ ایک فعل ایسے طرز سے واقع ہوا ہے کہ وہ طرز بتلا رہا ہے کہ اس کا دوام مطلوب ہے(۵)

(۱) قرآن وحدیث سے (۲) اس کا پسندیدہ ہونا اس کا حکم ہونا اور اس پر عمل پیرا ہونا مقصود اور مطلوب ہونا سب قرآن وحدیث سے ثابت ہے (۳) تاکید (۴) اس فعل پر ہمیشہ عمل کیا جائے (۵) اس کا ہمیشہ کرنا مطلوب ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو تین شب تشریف لائے اس کے بعد پھر تشریف نہیں لائے تو صحابہ سے فرمایا کہ مجھے تم سب کا آنا معلوم تھا مگر میں اس لئے نہیں آیا کہ ایسا نہ ہو تم پر فرض ہو جائے اور نہ ہو سکے تو تم گنہگار ہو اور اس کے یہ معنی نہیں کہ چلو یہ تو ایک گنجائش کی بات معلوم ہوئی کہ فرض نہیں اب کا ہے کو مشقت اٹھائیں کہ جاگیں اور تھکیں۔

گناہ کا نقصان

بلکہ مطلب یہ ہے کہ گناہ تو ہوگا مگر ترک فرض کے برابر نہ ہوگا شاید کوئی یہ کہنے لگے کہ خیر زیادہ گناہ تو نہیں ہے تھوڑا گناہ ہے اگر چھوڑ دیں گے تو کچھ بڑا گناہ نہیں ہوگا۔ جو یہ کہے، پہلے وہ میری اس رائے کو قبول کرے تب یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تھوڑی سی چیز کی وقعت نہیں کرتا اور اسے مہمل سمجھتا ہے تب میں بھی ایسے شخص کے لئے فتویٰ دیدوں گا کہ اسے چھوڑ دینا جائز ہے اور وہ رائے یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی چنگاری لے کر اپنے چھپر(۱) پر یا اپنے کپڑوں کے صندوق میں رکھدے اور اگر کوئی کہے تو یہ کہدے کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے بڑا انگارا تو نہیں ہے اور اگر یہ چھوٹی سی چنگاری رکھنے سے رُکے کہ اثر تو چھوٹی بڑی کا یکساں ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ حضور اثر دونوں کا یہاں بھی یکساں ہے، وہ کیا ہے ناخوشی حق تعالیٰ کی۔

مشاہد کا اثر

بلکہ ایک اعتبار سے تو ترک سنت کا اثر ترک فرض سے بھی بڑھ کر ہونا چاہیئے، وہ بات یہ ہے کہ گو حق تعالیٰ کی عظمت سب سے بڑھی ہوئی ہے اور ان کے حقوق بھی بڑھے ہوئے ہیں اور انبیاء کی نہ اتنی عظمت، نہ ایسے حقوق ہیں مگر فطری مذاق یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز مشاہد ہے(۲) اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

(۱) گھاس پھوس کی چھت (۲) آنکھوں کے سامنے ہے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جس قدر آپ حکام ملکی سے ڈرتے ہیں حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو کیوں؟ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے سلاسل (زنجیر) واغلال (طوق) نظر نہیں آتے اور حکام کا طوق وزنجیر پیش نظر ہے۔ حق تعالیٰ کا جیل خانہ (جہنم) نظر نہیں آتا حکام کا جیل خانہ سامنے موجود ہے۔ اور لیجئے اپنی حسین بیوی کی طرف کس قدر طبعی کشش ہوتی ہے حق تعالیٰ کی طرف اتنی نہیں ہوتی پس اس سے معلوم ہوا کہ غائب کا اس درجہ کا اثر نہیں ہوتا جس درجہ حاضر کا ہوتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مشاہد ہیں آپ سے باتیں کرسکتے تھے۔ آپ کو دیکھ سکتے تھے آپ کے پاس بیٹھ سکتے تھے گو ہم نے آپ کو نہیں دیکھا مگر اس سے بھی بہت بڑا اثر ہوتا ہے کہ جس وقت ہم آپ کی شکل وحلیہ معمولات خوردونوش(۱) عادات نشست و برخاست(۲) عبادات واخلاق معلوم کرتے ہیں تو بالکل وہی اثر ہوتا ہے جو آپ کو خود کرتے ہوئے دیکھ کر ہوتا، بخلاف حق سبحانہ کے کہ کبھی آج تک نہ انہیں کسی نے دیکھا اور نہ اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے، کہیں پتہ بھی نہیں، کوئی چیز ذہن میں بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آجاتی ہے ؎

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم　　وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم(۳)
دفتر تمام گشت وبہ پایاں رسید عمر　　ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم(۴)

وہ تو وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں(۵) جیسا کہا گیا ہے کل ما خطر ببالك فهو هالك والله تعالى اجل من ذٰلك یعنی جو تصویریں ذہن میں گذرتی ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں خدا اس سے بہت برتر ہے۔

حکماء وصوفیاء کے علم میں فرق

ہم تو کیا سب سے بڑھ کر علم عارفین کا ہے حتی کہ حکمائے یونان بھی

(۱) کھانے پینے کے معمولات (۲) اٹھنے بیٹھنے کی عادات (۳) ''اے اللہ تعالیٰ آپ وہم وگمان، خیال وقیاس سے بالاتر ہیں اور جو کچھ بزرگوں نے کہا ہے اور ہم نے سنا اور پڑھا اس سے بھی برتر ہیں'' (۴) ''دفتر تمام ہوگیا اور عمر اختتام کو پہنچی ایک وصف بھی آپ کا بیان نہ کرسکے'' (۵) ان کا مقام تو ہماری عقل وسمجھ سے بالاتر ہے۔

ان کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ یہ میں ہی دعویٰ نہیں کرتا حکماء کو بھی اس کا اقرار ہے۔ جہاں انہوں نے قویٰ مدرکہ(۱) کی تقسیم کی ہے وہاں ایک قوت قدسیہ مانی ہے(۲) کہ وہ عقلاء کو میسر نہیں ہے اہلِ باطن کے ساتھ خاص ہے سو اس کا خود ان کو اقرار ہے گو اس قوت قدسیہ(۳) کی تحصیل کی ان کو ہمت نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ ان حکماء کی یہ حالت رہی کہ فرحوا بما عندھم من العلم یعنی یہ لوگ علم ہی میں اتراتے رہے اور سمجھے کہ بہت بڑا کمال ہے اور گو خود حکماء میں بھی دو فرقے تھے اشراقیین(۴) ومشائین(۵) اور اشراقیین نے کثرت مجاہدہ سے اس قدر قلب کی صفائی کر لی تھی کہ حقائق کونیہ اشیاء کی ان کو منکشف(۶) ہو جاتی تھیں مگر چونکہ ان کے علوم پر دلائل قائم نہیں اور مشائیین کو جو کچھ معلوم ہوا وہ استدلال(۷) سے معلوم ہوا لہٰذا ان کو اشراقیین کے مقابلہ میں اپنے ہی علوم لذیذ ومحکم (۸) معلوم ہوئے اگرچہ اس کا اعتراف کرتے رہے کہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ فاقد قوۃ قدسیہ اور واجد قوۃ قدسیہ(۹) مگر اس قوت قدسیہ کی طرف توجہ نہ کی علماء ظاہر بین بھی جن پر ان علوم کا غلبہ ہوا علوم باطنہ کو انہوں نے بھی بے قدر ومرجوح سمجھا(۱۰)۔

صحبت کا اثر

مشہور ہے کہ ایک بہت بڑے عالم فلسفی حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت کچھ تعلیم ذکر وشغل فرمائیے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ نے تعلیم دی اور قاعدہ کے موافق فرمادیا کہ کیفیت سے اطلاع دیتے رہنا۔ جب یہ ذکر میں مشغول ہوئے خلوت میں، تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز قلب سے

(۱) ان قوتوں کی تقسیم کی ہے جن سے انسان ادراک کرسکتا ہے (۲) ایک پاکیزہ مقدس قوت کو تسلیم کیا ہے جو عقلاء کو حاصل نہیں (۳) پاکیزہ قوت کے حاصل کرنے کی (۴) حکماء کا وہ گروہ جو تصفیہ قلب کے ذریعہ شاگردوں کو دور بیٹھے تعلیم دیا کرتا ہے (۵) حکماء کا وہ گروہ جو ایک دوسرے کے پاس جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے (۶) چیزوں کے وجود کی حقیقت ان پر آشکار ہو جاتی تھی (۷) دلائل سے علم ہوا (۸) عمدہ اور مضبوط (۹) ایک وہ جن میں وہ پاکیزہ صفت موجود ہے دوسرے وہ جن کو یہ قوت حاصل نہیں (۱۰) باطنی علوم کو انہوں نے بھی قابل ترجیح نہ سمجھا۔

نکلی جاتی ہے(۱)۔ عرض کیا حضرت ذکر سے یہ کیفیت ہوئی، آپ نے فرمایا کہ جو چیز نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ علوم فلسفیہ ہیں۔ عرض کیا حضرت یہ تو بڑی محنت سے حاصل کیے ہیں ان کا نکلنا تو گوارا نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ یہ جاتے رہیں گے تو کیا ہے، اُن سے بہتر علوم حاصل ہوں گے ۔

بینی اندر خود علومِ انبیا　　　بے معید و بے کتاب واوستا(۲)

ان کے بعد تم کو وہ علوم حاصل ہوں گے کہ نہ کتاب کا واسطہ ہوگا نہ استاد کی ضرورت ہوگی۔ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہ آیا اور یہ کہہ کر کہ حضرت یہ ادھار ہے چلے گئے مگر ایک دن کی صحبت کام کر چکی تھی ایک دن تو بہت ہے واقعی ایک ساعت بھی کام کر جاتی ہے ۔

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است　　　بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست (۳)

یک زمانے صحبت با اولیا　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا(۴)

اس صحبت کا یہ اثر ہوا کہ جو اس علوم فلسفیہ کے ذہول (فراموشی) کو گوارا نہ کرتے تھے وہ بھی اس کی نسبت فرماتے ہیں ۔

نهاية اقدام العقول عقال　　　وغاية سعي العالمين ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا　　　سوى ان جمعنا فيه قيل يقال

یعنی آخر یہ کہنا پڑا کہ ساری عمر بجز بک بک اور قیل وقال کے کچھ حاصل نہ ہوا اور عمر یوں ہی ضائع کی۔ خلاصہ یہ کہ حکماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ ایک فرقہ واجد قوۃ قدسیہ ہے مگر اس کا علم نہیں کہ وہ کون ہے۔

(۱) دل سے کوئی چیز نکل کر جا رہی ہے (۲) ''تم کو بے معین اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے'' (۳) ''نیک لوگوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی ہے تو وہ سو برس کے زہد و طاعت سے بہتر ہے'' (۴) ''اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی سو سال کی بے ریا عبادت وطاعت سے بہتر ہے''۔

عارفین کا حال

حقیقت میں وہ فرقہ عارفین کا یہی ہے جن کو قوت قدسیہ مرحمت ہوئی ہے(۱) سو اس سے بڑھ کر کیا علم ہوگا مگر اتنے بڑے علم والے بھی گو اول اول بہت دوڑتے ہیں اور جس قدر معرفت بڑھتی جاتی ہے انکا اشتیاق بڑھتا جاتا ہے جس کی مثال ایسی ہے جیسے استسقاء (جلندھر) کی بیماری والا کہ جس قدر پانی پیتا جاتا ہے پیاس بڑھتی جاتی ہے ۔

دل آرام در بردل آرام جو لب از تشنگی خشک بر طرف جو(۲)
نگویم کہ بر آب قادر نیند کہ برشاطی نیل مستسقیند(۳)

یعنی ان کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے رود نیل پر کسی مستسقی (۴) کو بٹھادو کبھی اس کی تشنگی رفع (۵) نہ ہوگی اور اگرچہ اعتقاداً یہ جانتے ہیں کہ ذات منکشف (۶) نہیں ہوسکتی مگر شدت اشتیاق میں کچھ نہیں یاد رہتا۔ اور برابر طلب میں لگے رہتے ہیں لیکن جب تھک تھکا کے ہر طرف سے لوٹتے ہیں تو پھر آخر یہی کہتے ہیں ۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کایں جا ہمیشہ باد بدست ست دام را(۷)

جسے عنقا کسی سے شکار نہیں ہوسکتا ایسے ہی ذات بھی مدرک نہیں ہوسکتی پس وہ غیر مدرک ہونے میں وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں۔

ذات باری کی معرفت کا درجہ واجد

غرض وہ ایک ایسی ذات ہیں جہاں نہ صورت نہ شکل نہ کسی نے دیکھا نہ

(۱) پاکیزہ قوت ملی ہے (۲) ''محبوب گود میں ہے اور محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں'' (۳) ''یہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ پانی پر قادر نہیں بلکہ دریائے نیل کے کنارے پر جلندھر کے بیمار کی طرح ہیں'' (۴) دریائے نیل کے کنارے کسی ایسے شخص کو بٹھادو جس کو جلندھر کی بیماری ہو جس میں پیاس بہت لگتی اور پانی پینے سے بھی نہیں ختم ہوتی (۵) پیاس نہیں بجھے گی (۶) اللہ کی ذات کو دیکھنا ممکن نہیں (۷) ''جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا جال پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے اسی طرح ذات بحث کی کنہ کا (اللہ کی ذات کی حقیقت کو کوئی نہیں پاسکتا) ادراک نہیں کرسکتا اس لئے فکر وسوچ بیکار ہے''۔

دنیا میں دیکھ سکتا ہے اور اس کا مقتضیٰ یہ بھی تھا کہ ہم سب کبھی نجات نہ پاتے کیونکہ دین واجب ہے اور وہ موقوف ہے معرفت پر لہٰذا معرفت بھی واجب ہوئی اور وہ حاصل نہیں ہوسکتی لہٰذا ہم حق تعالیٰ کے حق سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اپنی شان کے موافق معرفت واجب نہیں کی، مدرک کی شان کے موافق واجب کی ہے(۱) حتی کہ چار آدمی مختلف فہم کے اگر اپنی سمجھ کے موافق حق تعالیٰ کو الگ الگ سمجھیں تو سب ناجی ہیں (۲) علماء محققین نے لکھا ہے کہ ہمیں جتنا فہم ہے ہم اسی قدر سمجھنے کے مکلّف ہیں اسی قاعدہ کے محکم کرنے سے بہت سی احادیث اشکال سے صاف ہوجاتی ہیں۔

کفن چور کی حکایت

حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کفن چور تھا اس نے مرنے کے وقت اپنے سب بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا یعنی تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا برتاؤ کیا، اس نے کہا اس کے عوض میں میرا ایک چھوٹا سا کام کردو گے انہوں نے کہا جان ودل سے کردیں گے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلادینا اور اس کی راکھ کو محفوظ رکھنا اور جب خوب زور وشور کی آندھی چلے تو اس راکھ کو منتشر (۳) کردینا، شاید میں اس طرح سے خدا کے ہاتھ نہ لگوں اور عذاب سے بچ جاؤں اور اگر خدا تعالیٰ مجھ پر قادر ہوگئے تو مجھ پر ایسا سخت عذاب کریں گے کہ کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ مرگیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا حق تعالیٰ نے اس کے تمام اجزاء جمع کر کے نفع روح (۴) کیا، جب زندہ ہوگیا تو پوچھا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی، ایسا کیوں کیا اس نے عرض کیا اے پروردگار تیرے خوف سے ایسا کیا۔ حدیث میں

(۱) ہماری استعداد کے مطابق معرفت واجب کی (۲) سب کی نجات ہوجائیگی (۳) بکھیر دینا (۴) جسم کے تمام اجزاء جمع کر کے اس میں روح پھونک دی۔

آتا ہے فغفر لہ یعنی اتنی بات پر اس کی مغفرت کردی گئی۔

اشکال کا جواب

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب اسے خدا کی قدرت میں شک تھا تو مومن کیسے ہوا جب مومن نہ ہوا تو مغفرت کیسے ہوگئی اور اس کا جواب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ شاید پہلی امم (۱) میں غیر مومن کی بھی مغفرت ہوا کرتی ہو سو اس کا احتمال اس لئے نہیں کہ یہ اور نصوص سے معلوم ہے کہ اس امت پر رحمت زیادہ ہے حتی کہ کفار پر بھی بہ نسبت پہلے کفار کے رحمت زیادہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح مسخ نہیں ہوتے، عاد کی طرح تیز ہواؤں سے ہلاک نہیں کئے جاتے کسی کو الٹ دیا گیا، کسی کو فرشتے کی چیخ سے ہلاک کردیا کہیں اس امت میں بھی ہے اور اس امت کے کفار کے واسطے نص قطعی ہے کہ مغفرت نہیں ہوگی سو پہلی امم کے کفار کی مغفرت ہوگی تو اس امت کے کفار کی بھی ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان پر رحمت زیادہ ہے اور لازم باطل ہے لہٰذا ملزوم بھی باطل، پس یہ جواب نہیں چل سکتا پس اعتراض باقی رہا کہ وہ قدرت میں تردد کی وجہ سے کافر تھا تو مغفرت کیسے ہوگئی۔ غرض یہ سخت اشکال ہے بعضوں نے اس سے بچنے کے لئے ان قدر اللّٰہ (اگر قادر ہوگئے اللہ تعالیٰ) کے معنی میں تاویل کی کہ قَدَرَ کے معنی ضیق (تنگی) کے بھی آتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ان تکلفات کے بغیر اس کا جواب نہایت سہل ہے وہ یہ کہ اس کی سمجھ اتنی ہی تھی اور وہ اپنی سمجھ کے موافق مکلّف تھا وہ یوں سمجھتا تھا کہ بس قدرت اتنی ہی ہوتی ہے اتنی عقل نہ تھی کہ یہ سمجھتا کہ وہ قدرت اس سے بہت آگے ہے۔

اعرابی کی حکایت

اسی طرح اس باب میں اعرابیوں کی عجیب وغریب حکایتیں مشہور ہیں

(۱) امتوں میں۔

ایک اعرابی کی حکایت ہے کہ ایک واعظ نے اپنے وعظ میں بیان کیا کہ حق تعالیٰ کے نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں نہ آنکھ ہے نہ ناک نہ اور اعضاء۔ غرض وہ جوارح سے بالکل پاک ہے۔ ایک اعرابی سن کر کہنے لگا کہ بطخ شامی کی طرح گول مول اور اپاہج تیرا ہی خدا ہوگا ہمارے خدا کے سب کچھ ہے۔

تصور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر

غرض ہر شخص اپنی فہم کے موافق سمجھتا ہے اور اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ باوجود ان بدیہی (۱) غلطیوں کے پھر بھی ان سب کا نام دفتر عارفین میں لکھا ہوا ہے اور دوسرے تو کنہ ذات (۲) کی کیا سمجھتے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لااحصی ثناء علیك (میں تیری تعریف نہیں کرسکتا ہوں) فرماتے ہیں پھر کسی اور کی کیا مجال جو کنہ اور حقیقت دریافت کرسکے بہرحال خدا کی شان وراء الوھم ثم وراء الوھم (وہم سے بالاتر) ہے تو مثل محسوس کے ذات کو مطابق واقعہ کے فرض نہیں کرسکتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض کرسکتے ہیں کیونکہ گو ہم نے آپ کو نہیں دیکھا مگر آپ کی ہر ادا ہمارے پیش نظر ہے اس لئے آپ مثل محسوس کے ہیں اور محسوس کا اثر زیادہ ہوتا ہے پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ آپ کا خلاف کرتے ہوئے زیادہ شرم آنی چاہیئے تھی۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ تراویح میں یہ گنجائش نہیں کہ اسے بالکل گناہ نہ سمجھ کر یا تھوڑا گناہ سمجھ کر چھوڑا جائے چنانچہ اس فطرۃ خاص کا یہ اثر ہے کہ جو گیارہ ماہ فرض بھی نہیں پڑھتے وہ بھی تراویح کا اہتمام کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ ایسے لوگ جو بارہ مہینے فرض پڑھتے چلے آتے ہیں وہ اس میں تخفیف کرنا چاہتے ہیں۔

بیس رکعت تراویح پر اجماع

آج ہی میں نے ایک خط کا جواب لکھا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہ حضرت

(۱) واضح غلطیوں کے (۲) ذات باری کی حقیقت۔

پڑھے، جن ہیں اگر کوئی جاہل ہو تو اُسے سمجھانا سہل ہے مگر یہ پڑھے جن بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اس خط میں لکھا تھا کہ آجکل کسل غالب ہے اگر اُن احادیث پر عمل کرلیا جائے جن میں آٹھ یا بارہ رکعت کی تصریح ہے تو کیا حرج ہے۔ مجھے بھی فکر ہوئی کہ اس کا کیا جواب لکھوں پھر میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس مولوی کا کوئی جواب سمجھادے چنانچہ حق تعالیٰ نے مجھے سمجھادیا۔ میں نے یہ لکھا کہ سیدھی سی بات ہے کہ بیس رکعت کے سنت موکدہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اجماع کی مخالفت ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے ان احادیث کے منسوخ ہونے کی اور اگر اجماع میں شبہ ہو کہ بعض علماء نے صرف آٹھ کو سنت موکدہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ اجماع اس قول سے منعقد ہے پس اس کے مقابلہ میں شاذ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا جب تاکد ثابت ہوگیا تو اس کے ترک کرنے سے مورد عتاب (۱) ہوگا۔ انہوں نے ایک اور بات لکھی تھی کہ صاحب فتح القدیر کی رائے ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھنی چاہئیں میں نے لکھا کہ جمہور کے مقابلہ میں ایک صاحب فتح القدیر کی رائے نہیں چل سکتی خصوصًا جبکہ ان کا عمل خود ان کے خلاف ہو کیونکہ صاحب فتح القدیر کی یہ علمی تحقیق ہے، مگر پڑھیں انہوں نے بھی ہمیشہ بیس لہٰذا ان کی تحقیق قابل عمل نہیں۔

آٹھ رکعت تراویح کی حقیقت

ایک شخص دہلی کے نئے مجتہدین سے آٹھ تراویح سنکر مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تھے اور انہیں تردد تھا کہ آٹھ ہیں یا بیس۔ یہ نئے مجتہد اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہیں، کیوں صاحب حدیث میں بیس بھی تو آئی ہیں ان پر کیوں نہ عمل کیا کہ ان کے ضمن میں آٹھ پر بھی عمل ہوجاتا۔ بات کیا ہے کہ نفس کو سہولت تو آٹھ ہی میں ہے، بیس کیونکر پڑھیں۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ اُن

(۱) مستحق عذاب ٹھہرے گا۔

کے جی میں آتا ہے کرتے ہیں اور شاذ اور ضعیف احادیث کو بھی سہارا بنا لیتے ہیں۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے غلاۃ (غلو کرنے والے) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بیشک عامل بالحدیث ہیں لیکن الف لام الحدیث میں عوض مضاف الیہ کے ہے اور مضاف الیہ نفس ہے یعنی عامل بحدیث النفس، تو واقعی یہ لوگ حدیث نفس کے عامل ہیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل نہیں، یہ لوگ اپنے نفس کے موافق احادیث تلاش کیا کرتے ہیں جیسے کسی کی حکایت مشہور ہے کہ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں قرآن کا کونسا حکم سب سے زیادہ پسند ہے کہا: رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ(۱) تو اسی طرح انہوں نے بھی تراویح کی تمام احادیث میں سے صرف آٹھ رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ بارہ بھی آئی ہیں اور وتر کی تمام احادیث میں سے ایک رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ تین رکعتیں بھی آئی ہیں پانچ بھی آئی ہیں سات بھی آئی ہیں۔

بیس رکعت تراویح کی عقلی دلیل

خیر تو وہ بیچارے ان کے بہکانے سے تردد میں پڑ گئے تھے۔ مولانا سے پوچھا مولانا نے فرمایا کہ بھئی سنو اگر محکمۂ مال سے اطلاع آئے کہ مال گذاری داخل کرو اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی ہے تم نے ایک نمبردار سے پوچھا کہ میرے ذمہ کتنی مالگذاری ہے اس نے کہا آٹھ روپے پھر تم نے دوسرے نمبردار سے پوچھا اس نے کہا بارہ روپے اس سے تردد بڑھا تم نے تیسرے سے پوچھا اس نے کہا بیس روپے تو اب بتاؤ تمہیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیئے انہوں نے کہا صاحب بیس روپے لیکر جانا چاہیئے اگر اتنی ہوئی تو کسی سے مانگنا نہ پڑے گی اور اگر کم ہوئی تو رقم بچ رہے گی اور اگر میں کم لیکر گیا اور وہاں ہوئی زیادہ تو کس سے مانگتا پھروں گا۔ مولانا نے فرمایا بس خوب سمجھ لو اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے

(۱) ''اے رب ہم پر آسمان سے مائدہ یعنی خوان نازل فرما'' سورۃ المائدہ: ۱۱۴/۵۔

پاس آٹھ تو کہاں سے لاکر دو گے اور اگر بیس ہیں اور طلب کم کی ہے، تو بچ رہیں گے اور تمہارے کام آئیں گے، کہنے لگے ٹھیک ہے سمجھ میں آ گیا اب میں ہمیشہ بیس رکعتیں پڑھا کروں گا، بس بالکل تسلّی ہوگئی۔ سبحان اللہ کیا طرز ہے سمجھانے کا حقیقت میں یہ لوگ حکمائے امت ہوتے ہیں ایک اور عامی شخص نے مولانا سے پوچھا تھا کہ وَلَاالضَّآ لِّیْنَ ہے یا ولاالظالین پوچھا قرآن میں لکھا کیا ہے اس نے کہا قرآن میں تو وَلَاالضَّآ لِّیْنَ لکھا ہے آپ نے فرمایا بس جو قرآن میں لکھا ہے وہی ٹھیک ہے واقعی ایسے عامی کو اس سے زیادہ سمجھانے کا اس سے بہتر کیا طریقہ ہوگا۔

بہرحال تراویح میں اختصار ان لوگوں نے کیا ہے جو پہلے سے نمازی ہیں افسوس ہے تو اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ کہتے ہیں جماعت تو سنت موکدہ علی الکفایہ ہے پس محلّہ کے تیلی جلا ہے (۱) پڑھ لیں گے ہم پر سے بھی ادا ہو جائے گی۔ کیا ظلم وستم ہے تم خدا کے ساتھ قانون بگھارتے ہو (۲) اگر خدا تعالیٰ عطاء کے وقت بھی قانون برتیں کہ جس طرح تم ارکان ضروری ادا کرتے ہو وہ بھی ضرورت کے موافق تمہیں دیدیا کریں تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔ مثلاً ایک دن تمہیں آدھ سیر اناج سے زیادہ نہ دیں یا ایک لوٹے پانی سے زیادہ نہ دیں تو تم کیا کرو گے بلکہ وہ تو اتنا بھی نہ دیں تو تم کیا کرلو گے کیونکہ ان پر کسی کو دینا واجب تو ہے ہی نہیں محض اپنے فضل ورحمت واحسان سے دیتے ہیں۔

فضل باری

اس فضل واحسان پر ایک عابد کی حکایت یاد آ گئی کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میں جنت کا مستحق ہوں اپنے اعمال کی وجہ سے کیونکہ وہ جو جو فرمارہے ہیں پانچ سو برس سے برابر اسی کے موافق عمل کررہا ہوں ہاں اپنے فضل سے چاہیں کچھ اور دیدیں

(۱) غریب غرباء (۲) قانون پر چلنے کی بات کرتے ہو۔

باقی جتنا مجھے اعمال پر ملے گا وہ میرے استحقاق ہی کی وجہ سے ملے گا۔ چند روز کے بعد مر گیا آسمان پر حاضر کئے گئے وہاں کے فرشتوں نے کہا چلو۔ وہ چلے۔ میدان میں سخت تابش تھی (۱)، بہت پیاس لگی فرشتوں سے پوچھا یہاں پانی ہے انہوں نے کہا ہے مگر بقیمت ملتا ہے۔ پوچھا کیا قیمت ہے، کہا یہاں ایک پیالہ پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے۔ ان حضرت کے پاس کل عبادت پانچ سو ہی برس کی تھی۔ پیاس کے مارے بیتاب تھا، مرتا کیا نہ کرتا۔ پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے میں وہ پیالہ لے لیا۔ پھر تھوڑی دور چلے۔ اس سے زیادہ پیاس لگی پھر پانی کو پوچھا فرشتوں نے وہی جواب دیا، انہوں نے کہا اب تو عبادت نہیں رہی۔ اب حق تعالیٰ کے سامنے پیش کئے گئے، ارشاد ہوا کیا لائے ہو۔ بولو اب مغفرت کا استحقاق کس بات پر ہے، عرض کیا اے اللہ مغفرت محض تیرے فضل سے ہے اور میں غلطی میں مبتلا تھا۔ یہ تو یہاں کے ایک پیالہ پانی کی قیمت ہے پھر اور چیزیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا ان کی کیا قیمت ہوگی ہزار برس کی عبادت سے بھی زیادہ ہوگی خصوصاً تمہارے نرخنامہ کے موافق شرح اس کی یہ ہے کہ مقدمہ ظاہر ہے کہ اموال تمہارے یہاں زیادہ پیارے ہیں اعمال سے (۲) چنانچہ ہر شخص کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے اعمال آسانی سے تجویز کرتا ہے مثلاً میرا فلاں کام ہوجائے تو میں دو رکعت نماز پڑھوں گا یا ایک روزہ رکھوں گا ایسا بہت کم ہوگا کہ کوئی یہ کہے کہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤں گا یا ایک مسافر کو راہ خرچ دوں گا اس مقدمہ کے بعد نعمتوں کی قیمت اول اموال سے سن لو جو ایک حکایت سے معلوم ہوگی کہ۔

دنیوی بادشاہت کی قیمت

ایک درویش کسی بادشاہ کے پاس ہدایت کرنے گئے بادشاہ سے پوچھا اگر

(۱) تپش اور حرارت (۲) خاص طور پر تمہارے حساب سے کہ تمہارے نزدیک مال قیمتی ہے عمل سے۔

تم کسی جنگل میں شکار کو جاؤ اور اتفاق سے اپنے لشکر سے جدا ہوکر راستہ بھی بھول جاؤ اور تلاش کرنے میں اس قدر پیاس لگے کہ راستہ چلنا دشوار ہوجائے بلکہ دم(۱) پر بن جائے اور اس وقت تمہارے پاس کوئی شخص ایک پیالہ پانی لیکر آئے اور کہے کہ آدھی سلطنت کے عوض یہ ایک پیالہ پانی مل سکتا ہے تو تم کیا کروگے، پیاس کے مارے جان دوگے یا آدھی سلطنت دے کر وہ پیالہ لے لوگے۔ بادشاہ نے کہا پانی لے لوں گا۔ درویش نے کہا اچھا اس کے بعد تم پانی پی کر چلے تھوڑی دور چل کر پیشاب لگا، اور اتفاق سے وہ بند ہوگیا اور کسی طرح نہیں اترتا۔ ایک طبیب راستہ میں ملا اس نے کہا آدھی سلطنت مجھے دو تو میں پیشاب اتاردوں گا تو تم کیا کروگے؟۔ بادشاہ نے کہا جان زیادہ پیاری ہے اُسے بھی آدھی سلطنت دیدوں گا۔ درویش نے کہا سبحان اللہ اسی سلطنت پر اس قدر گھمنڈ ہے جس کی قیمت ایک کٹورے پیشاب اور ایک پیالہ پانی کے برابر ہے اسی کے بھروسے انا کذا وانا کذا (میں ایسا اور میں ایسا) ہے۔ خیال کرو کہ دنیا کے پانی کی کس قدر قیمت ہے۔ گھڑے کے گھڑے یوں ہی پی جاتے ہیں۔ بلکہ غور کیا جائے تو ایک شخص کئی کئی تالاب پی چکا ہے۔ گو وہ تم میں باقی نہیں رہا۔ فضلہ بن کر خارج ہوگیا۔

لطیفہ

اس خارج ہونے پر ایک ظرافت آمیز حکایت یاد آئی کہ ایک احمق نے ایک بیل خریدا۔ تالاب پر پانی پلانے لے گیا۔ اکثر جانوروں کی عادت ہے کہ پانی پینے کے وقت موتتے ہیں(۲) وہ بیل بھی موتنے لگا اس احمق نے جو بیل کو موتتے دیکھا کہنے لگا کہ لے جاؤ اپنا بیل ہم پھوٹا ہوا(۳) بیل نہیں لیتے۔ بس اسی طرح تم پھوٹے ہوئے ہو۔ اگر پیٹ میں پانی نہ ٹھہرے تو کیا کیا جاوے۔ دینے والے نے

(۱) جان پر بن جائے (۲) پیشاب کرتے ہیں (۳) ٹوٹا ہوا۔

تو دریغ نہیں کیا۔ غرض جب ایک کٹورے پانی کی قیمت دنیا میں آدھی سلطنت اور آخرت میں ایک ہزار برس کی عبادت ہے تو جو کچھ ہمیں یہاں ملتا ہے یا وہاں ملے گا سب حق تعالیٰ کا فضل ہے کسی کو کسی چیز کا بھی استحقاق نہیں۔

اہتمام تراویح کی ضرورت

اب جو تم خدائے تعالیٰ کے ساتھ قانون بگھارتے ہو(۱) کہ جماعت تراویح سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے تو اگر وہ بھی تمہارے ساتھ قانون برتتے تو ایک گناہ پر ہلاک کر دیتے اگر وہ تمہیں کھانا صرف اتنا ہی دیں کہ بھوکے نہ مرو تو نانی یاد آجائے۔ غرض یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا ہے تراویح پر اس کی مشق ہوتی ہے حالانکہ تراویح چونکہ سنت ہے اس لئے اس کا عملاً بہت اہتمام کرنا چاہیے۔ گو اعتقاداً فرض کا اہتمام زیادہ ہے۔ اور عملاً اس کا اہتمام اس لئے زیادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر محسوس ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے۔ چنانچہ اگر ایک قرآن رکھا ہو اور ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیض مبارک بھی رکھا ہو۔ دیکھ لو دل کدھر کھنچتا ہے۔ طبیعت کا جذب کدھر زیادہ ہوتا ہے گو اعتقاداً وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی تعظیم واجب ہے مگر عملاً تم اس (۲) کے ساتھ وہ برتاؤ کرو گے جو قرآن کے ساتھ نہیں کرتے۔ پھر بھی نہ یہ شرک ہے نہ ترک ادب ہے کیونکہ فطرۃً انسان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔ البتہ حدود شرعیہ سے تجاوز معصیت و بدعت ہے۔

غرض جب ہم آپ کے ملبوسات سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں تو آپ کی سنت کی کیوں نہ وقعت ہو بہر حال تراویح رمضان کی خصوصیات میں سے ہے یہ تقریر اس پر مبنی ہے کہ یہ ثابت ہو کہ یہ اس ماہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ بعض لکھے پڑھے اس میں بھی کلام کرتے ہیں۔

(۱) قانون کے مطابق چلنے کی بات کرتے ہو (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیض مبارک۔

تراویح اور تہجد میں فرق

میرے پاس ایک خط آیا ہے کہ تراویح یہ وہی تہجد ہے جو پچھلی رات کو پڑھی جاتی تھی اسی نے تراویح کی صورت اختیار کر لی ہے میں نے لکھا کہ دلیل سے ثابت ہے کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ہے۔ چنانچہ تہجد کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴾(۱)

اس کی دلیل ہے پھر دوسرا رکوع گیارہ بارہ مہینے میں نازل ہوا جس کا حاصل اس فرضیت کا منسوخ کر دینا ہے اور تراویح کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سننت لکم قیامہ (میں نے تمہارے لئے اس میں تراویح مسنون کی ہے) اگر یہ تہجد ہے تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو خدا کی طرف منسوب ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے۔

رمضان کی مخصوص نماز تراویح ہے

غرض یہ عبادت مخصوص ہے اس کے ساتھ۔ اور حقیقت اس کی نماز ہے۔ میں اس حقیقت کی روح کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جس کی ایک جزئی تراویح بھی

(۱) ''اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو یا اس نصف سے کسی قدر کم کرو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو'' سورۃ المزمل: ۷۳/۱۔۴۔

ہے پھر خواہ یوں کہئے کہ نماز ایک نوع ہے خصوصیت لگ کر اصناف جدا جدا ہو گئے ہیں یا یوں کہیئے کہ نماز ایک جنس ہے فصول لگ کر انواع جدا جدا ہو گئے ہیں۔ بہرحال اتنا تو معلوم ہے کہ ان میں چند مشترک ہیں مگر یہ پتہ چلنا مشکل ہے کہ وہ خصوصیات جو مابہ الامتیاز ہیں(۱) آیا عوارض ہیں کہ ان کو اصناف کہا جائے یا ذاتیات ہیں کہ انہیں انواع کہا جائے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تراویح مطلق نماز خاص ہونے کے اعتبار سے خصوصیات میں سے ہے، رمضان کی۔ کیونکہ مطلق نماز لا بشرط شی (نہ کسی شرط کے ساتھ) کے مرتبہ کا ایک مصداق تراویح ہی ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تراویح نماز خاص ہونے کے اعتبار سے مخصوص ہے اس ماہ کے ساتھ۔ بہرحال تراویح کو خواہ مطلق نماز کہو یا نماز خاص کہو وہ اس ماہ کی خصوصیات سے ہے اس لئے آج نماز کی روح کے بیان کرنے کا خیال ہے۔

عبادات میں روح اور صورت دونوں ضروری

اور اس شبہ کو دوبارہ دفع کئے دیتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ دوڑنے لگا ہے کہ نماز کی صورت مقصود نہیں (۲) صرف روح مقصود ہے۔ اس میں دو فرقے ہیں ایک وہ لوگ ہیں جو صورت کو بھی ترک تو نہیں کرتے لیکن مقصود اصلی روح ہی کو سمجھتے ہیں اور صورت کو غیر مقصود سمجھ کر ان کے قلب میں اس کی کوئی وقعت نہیں اور بالکل بے قدر سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو صورت کو کسی درجہ میں بھی معمول بہ نہیں سمجھتے۔ چنانچہ صوفیہ نے نماز کی روح نکالی کہ ذکر ہے بس اب اس کی صورت سے آزاد ہو گئے اور اعتقاد کر لیا کہ صرف ذکر کر لینا کافی ہے، جو روح نماز کی ہے لیکن جس طرح انہوں نے نماز کی روح نکالی کبھی اس طرح ان صوفی صاحب نے اپنی روح نہ نکالی کہ آپ کی صورت بھی غیر مقصود ہے پھر صورت کو غذا، صورت کو لباس کیوں دیتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جس طرح روح صلوۃ روح انسان

(۱) وہ خصوصیات جن سے امتیاز ہوتا ہے (۲) ارکان ہیئت مقصود نہیں۔

کی غذا ہے، صورت صلوٰۃ صورت انسان کی غذا ہے، پس صورت انسان کو علاوہ اس غذائی طبعی کے یہ ایک غذا اور بھی عطا فرمائی گئی ہے تو جس طرح تم نے اس غذا کو حذف کیا ہے اس غذا کو بھی حذف کردو کہ نہ کھاؤ اور نہ پیو تو ہم جانیں کہ شاہ صاحب واقعی اپنے رنگ کے پکے ہیں کہ ہر جگہ اپنے مذاق کی رعایت کرتے ہیں اس کے کیا معنی کہ نماز کی صورت تو اڑادو اپنی صورت کو پالتے ہو۔ اگر کوئی چھٹانک بھر گھی کھائے تو شاہ صاحب پاؤ بھر گھی کھاتے ہیں۔

جعلی پیر

ایک شاہ صاحب کا بہت گھی کھا کھا کر دعوتیں اڑا اڑا کے پیش (۱) بہت پھول گیا تھا، ایک مرید نے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ اس قدر موٹے کیوں ہیں کہنے لگے کہ نفس کتا ہے اور کتا جب مرجاتا ہے تو پھول جاتا ہے۔ اس نے کہا حضور جب یہ مرگیا ہے تو کوڑے پر پھینک دیجئے۔ مرے ہوئے کتے کو تو کوڑے پر پھینک دیتے ہیں۔ بس شاہ صاحب چپ رہ گئے۔ واقعی کہی بڑی کھری۔ وہ مرید کیا تھا بلکہ آپ کا بھی پیر تھا۔ سو یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت کو حذف نہ کیا بلکہ اس کے پالنے کے لئے طرح طرح کے جال پھیلاتے ہیں اور نماز کی صورت کو حذف کردیا۔

بے نمازی پیر

ایک اور شاہ صاحب تھے وہ بھی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ان کے مریدوں میں مشہور تھا کہ شاہ صاحب مکہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے کہا کہ جب نماز وہاں پڑھتے ہیں تو کھانا بھی وہیں کھالیا کریں کہ متبرک ہوگا۔ واقعی بڑی عجیب بات کہی نماز کے لئے مکہ اور کھانے کے لئے ہندوستان بلکہ استنجا بھی وہیں کرلیا کریں کیا ہندوستان بمپولیس ہے (۲) کہ استنجے کے لئے یہاں چلے آتے

(۱) بیت الخلاء (۲) پیٹ۔

ہیں۔ اگر مکہ کو بیت اللہ ہونے کی وجہ سے زیادہ شرف حاصل ہے تو ہندوستان میں بھی بہت سے متبرک مقامات ہیں بے شمار انبیاء، صحابہ، اولیاء کے مزارات ہیں بلکہ آدم علیہ السلام کا نزول سب سے پہلے یہیں ہوا۔ تو مکہ کے برابر تو نہیں مگر تھوڑا بہت کچھ تو ہے۔

کچھ نہیں سب جھوٹی باتیں ہیں۔ یوں بک دیا کہ مکہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ لوگوں نے نفس پرستی کی وجہ سے ایسی ایسی خرافات ومزخرفات (۱) گھڑلی ہیں۔

نماز کی بے قدری

بہرحال جہلاءِ صوفیہ پر تو اس روح نکالنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ صورت کو کسی درجہ میں ضروری نہیں سمجھتے اور پابندانِ ظاہر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ یہ تو نہیں کہ نماز کو فرض نہ سمجھیں مگر یہ ضرور ہوا کہ ان کے قلب میں ظاہری رکوع وسجود کی وقعت زیادہ نہیں ہے، میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ اس کی کوشش تو کرتے ہیں کہ نماز میں خطرات نہ آئیں مگر تعدیل وادائے سنن کی پرواہ بھی نہیں ہوتی حالانکہ ان کا درجہ اس سے بڑھ کر ہے۔

نماز کی صورت مثالی

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید صاحب کشف تھے۔ یہ خیال ہوا کہ نماز ایسی پڑھنا چاہیئے جس میں کوئی خطرہ نہ آوے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بغیر آنکھ بند کئے حضور قلب نہ ہوتو آنکھ بند کرکے نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے آنکھیں بند کرکے اس طرح نماز پڑھی کہ کوئی خطرہ نہ آنے پائے جب فارغ ہوئے تو بہت خوش ہوئے پھر متوجہ ہوئے، نماز کی ہیئت مکشوف (۲) ہوئی دیکھا نہایت حسین وجمیل ہے۔ پھر غور کرکے ہر ہر عضو کو

(۱) ان کی نماز کا حال ان کو معلوم ہوگیا (۲) چھوٹی اور بناوٹی باتیں۔

دیکھنے لگے اتفاقاً آنکھوں پر نظر پڑی دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں۔ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت سے آکر عرض کیا۔ تمام واقعہ مفصل نہیں عرض کیا۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت کی فراست کافی البدیہ(۱) فرمایا کہ تم نے نماز آنکھیں بند کرکے پڑھی ہوگی پھر فرمایا گو تم نے اس طرح نماز پڑھی کہ خطرات نہ آئیں مگر آنکھیں بند کرنا سنت کے خلاف تھا تو آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا گو خطرات آئیں، افضل ہے۔ اور آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا گو خطرات نہ آئیں مفضول ہے کیونکہ خلاف سنت ہے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمشکل بننا افضل ہے۔ حضرت! اللہ کے نزدیک تو صورت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول ہے۔

مشابہت کا فائدہ

میرے ایک دوست قُنُّوج(۲) میں وکیل ہیں وہ اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ میں کسی شہر میں گیا کہیں راستہ میں ایک بڑی بی مجھے ملیں۔ اپنے گھر بُلا کر لے گئیں میری بڑی خاطر کی، حلوا کھلایا۔ میں نے پوچھا کہ بڑی بی اس خاطر کا کیا سبب ہے۔ نہ میں تمہیں جانوں نہ تم مجھے۔ بڑی بی نے کہا میرا ایک بیٹا تمہاری ہی صورت کا ہے۔ وہ پردیس میں ہے مجھے تمہاری صورت دیکھ کر وہ یاد آجاتا ہے۔ پھر جب یہ ادھر سے گذرتے ان کے پاس ضرور جاتے وہ بھی ان کی بہت خاطر کرتی تھی تو خیال کرو وہ بڑھیا ادنیٰ درجہ کی رحیم تھی جب اسے اپنے محبوب بیٹے کی صورت اس قدر پیاری ہے تو حق تعالیٰ کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت عبادت کی کیوں نہ محبوب ہوگی۔ یہ یاد رکھو کہ ولایت شعبہ نبوت کا ہے جتنا زیادہ مشبہ بالنبوۃ ہوگا اسی قدر اس کی ولایت میں کمال ہوگا۔ عوام جوش وخروش والے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا کامل ہے۔ حالانکہ وہ کامل نہیں البتہ معذور ہے۔ کامل وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو، ہر ادا ویسی ہی ہو نشست و

(۱) فوراً (۲) ایک علاقے کا نام ہے۔

برخواست، خوردونوش، ہنسنا، بولنا غرض یہ کہ سب باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح ہوں بس یہ ہے کامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

مگر آپ کو کبھی نماز میں استغراق نہ ہوتا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں یہ سوچا کرآتا ہوں کہ آج نماز میں تطویل کروں گا(۱)۔ مگر بچہ کی آواز سنتا ہوں تو اس خوف سے مختصر کردیتا ہوں کہ شاید کوئی بچہ والی عورت نماز میں ہو اور بچہ کی آواز سے پریشان ہو۔ اس وقت عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت تھی مگر جب سے فتنہ کا خوف پیدا ہوا ممانعت ہوگئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کا رونا نماز میں سنتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں استغراق (۲) نہ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں استغراق کا ہونا کمال نہیں۔ اس سے ایک اور مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: مخافة ان تفتن امه ۔ یعنی احتمال تھا کہ اس کی ماں کو پریشانی ہو۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کا کشف دائمی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اولیاء کا بھی دائمی نہیں ہوسکتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خشوع استغراق کو نہیں کہتے کیونکہ آپ کو نماز میں خشوع یقیناً ہوتا تھا اور کیونکر نہ ہوتا جب حق تعالیٰ مطلق مومنین کاملین کے باب میں فرماتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○۔ (۳) پس جب ایمان کے لوازم سے خشوع ہے تو نبوت کے لوازم سے بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

استغراق اور خشوع میں فرق

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استغراق تھا نہیں۔ معلوم ہوا کہ خشوع اور حضور قلب

(۱) لمبی نماز پڑھوں گا (۲) بے خودی (۳) ''تحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں'' سورہ مومنون: ۲۳/۲، ۱۔

اور شے ہے اور استغراق اور شے ہے اور اگر دونوں ایک ہی ہوں تو اجتماع النقیضین (دو ضدوں کا جمع ہونا) لازم آئیگا۔ کیونکہ باقتضائے آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں خشوع ہے اور بدلالت حدیث استغراق نہیں اگر یہ دونوں ایک ہی شے ہوتے تو ایک ہی شے کا ہونا اور نہ ہونا لازم آئیگا اور یہ محال ہے جو لوگ غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ خشوع واستغراق ایک ہی شے ہے، اور خشوع ہے روح صلوٰۃ تو استغراق بھی روح صلوٰۃ ہے اور جب استغراق نہیں تو روح نہیں جب روح نہیں تو بے روح کی نماز کس کام کی۔ تو یہ سمجھے کہ ہماری نماز بے قدر ہے کہ اس میں استغراق نہیں۔ حالانکہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ استغراق اور شے ہے اور وہ روح صلوٰۃ نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی بے روح ہو۔ بہرحال جب ان لوگوں نے استغراق کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور وہ حاصل نہیں تو صرف رکوع وسجود کو بے معنی حرکات سمجھ کر بیقدری کرنے لگے۔ اگر ان سے کہو کہ رکوع وسجود میں تعدیل کرو جو نہایت آسان ہے کبھی نہ کریں گے۔ اور استغراق کے اس قدر درپے ہیں۔ راز یہ ہے کہ اس کی وقعت قلب میں نہیں ہے کیونکہ آدمی جسے عزیز و باوقعت (۱) سمجھتا ہے اس کا اہتمام کرتا ہے۔

لوازم عشق

اگر آپ کسی پر عاشق ہوں تو کیا آپ یہ چاہیں گے کہ اس کی آنکھیں نہ ہوں یا ناک کٹی ہوئی ہو حالانکہ عشق یہاں بھی روح کے ساتھ ہے کیونکہ اگر روح نکل جائے تو پھر معشوق کے پاس کھڑا بھی ہونے کو جی نہیں چاہتا مولانا فرماتے ہیں ؎

عاشقی با مردگاں پایند ونیست زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست (۲)
عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را با حیّ با قیوم دار (۳)

(۱) قابل قدر (۲) ''مردوں کے عشق کو بقا نہیں چونکہ مردہ پھر ہمارے پاس آنے والا نہیں'' (۳) ''مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں اس لئے اس حیّ وقیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی رہے''۔

اس کا دوسرا مصرعہ نتیجہ ہے کہ جب مردہ کی محبت پائیدار نہیں رہتی تو اہلِ حقیقت اس پر نظر رکھتے ہیں۔ عشق را باحیّ با قیوم دار (خدائے حیّ وقیوم کا عشق اختیار کرو)

آگے سے بیان کرتے ہیں کہ محبت پائیدار کیوں نہیں رہتی ؎

عشق ہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود(۱)

کیونکہ جب رنگ وروپ پر عاشق ہے تو وہ اس وقت تک ہے جب تک کہ روح ہے اور جب روح نکل گئی تو رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔

عشق حقیقی کے حصول کی تلقین

آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ ؎

غرق عشق شو کہ غرقست اندریں عشقہائے اولین وآخرین(۲)

اب یہ شبہ ہو کہ یہاں تو اس لئے عاشق ہوتے ہیں کہ مل جاتا ہے اور وہاں یہ حالت ہے کہ

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
ایں جاجز ایں کہ جان بسپارند چارہ نیست(۳)

آگے اس مشبہ کا جواب دیتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شر بار نیست برکریماں کارہا دشوار نیست(۴)

حقیقت جواب کی یہ ہے کہ اگر وہاں تک تمہیں پہنچنا پڑے تو بیشک دشوار

(۱) ''جو عشق ومحبت محض رنگ وروپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے (یعنی اس کا انجام حسرت وندامت ہے)'' (۲) ''عشق حقیقی میں غرق ہوجاؤ۔ اس میں غرق ہونا اولین وآخرین کا عشق ہے'' (۳) ''عشق کا دریا ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ بجز جان سوپنے کے چارہ نہیں'' (۴) یوں نہ خیال کرنا کہ بھلا ہماری رسائی اس دربار تک کہاں ہے کیونکہ کریموں کو کوئی کار دشوار نہیں ہوتا اگر تم اپنی کوشش سے نہیں پہنچ سکتے مگر وہ کریم ہیں اپنے فضل سے تم کو رسائی عنایت کردیں گے''۔

ہے وہاں تو یہ حالت کہ

خود بخود آں بت عیار بہ برمی آید(۱)

حدیث قدسی ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا (۱)(الحدیث) جو میری طرف ایک بالشت بڑھے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھے میں اس کی طرف ایک باع (دونوں ہاتھوں کا پھیلاؤں بھر) بڑھتا ہوں ۔

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دوید نہا

کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از برید نہا(۲)

جیسے انگور کو جتنا زیادہ قطع کئے جائیے اور بڑھے گا۔ اسی طرح یہ راستہ ہے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور کسی طرح قطع نہیں ہوتا۔ ہاں وہ خود قطع کر دیتے ہیں۔

محبت کا تقاضہ

اس کی مثال محسوسات میں ایسے سمجھئے کہ ایک بچہ ہے جو ابھی کھڑا ہوسکتا ہے چل پھر نہیں سکتا۔ آپ اسے محبت سے پکارتے ہیں کہ آؤ آؤ وہ اگر آپ کی آواز پر متوجہ ہوکر آنے کا قصد کرے تو پھر تو آپ خود دوڑ کر اُسے گود میں اٹھا لیتے ہیں اور اگر وہ التفات نہیں کرتا تو آپ بھی توجہ نہیں کرتے یہ جانتے ہیں کہ یہ بچہ آ نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی بڑے بڑے عقلاء اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو کیوں؟ تاکہ اس بچہ کی طلب و رغبت کا امتحان کریں۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہماری نسبت فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (۳) اس پر یہ شبہ ہو کہ جب ہم اس راستہ کو قطع نہیں کرسکتے تو بغیر بلائے ہمیں قطع کرادیا ہوتا تو حضور آپ بھی تو اپنے بچہ کو باوجود عقل کے بلاتے ہیں تو کیوں اس لئے کہ

(۱) ''خود بخود وہ محبوب بغل میں آجائے گا'' (۲) ''محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ مثل انگور کی بیل کے ہے کہ کاٹنے سے خود بخود بڑھتا رہتا ہے'' (۳) اور اللہ تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں۔

محبت کا یہی مقتضا ہے(۱) اسی طرح حق تعالیٰ کی رحمت کا مقتضا ہے کہ اپنی رحمت سے بلاتے ہیں اگر کوئی جانے کا قصد کرتا ہے تو خود پہنچ کر اٹھا لیتے ہیں اور اگر کوئی ادھر سے بے التفاتی کرتا ہے تو اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ(۲) وہ بھی بے پروا ہو جاتے ہیں اب معلوم ہو گیا کہ

برکریما کارہا دشوار نیست(۳)

یہ شبہ بھی دفع ہو گیا۔

عشق کا مقتضی

غرض عشق مجازی میں اصل محل عشق کا روح ہے اور صورت تو واقع میں مردہ ہے جس کے ساتھ رنگ کی وجہ سے عشق ہے اور رنگ روح کی وجہ سے ہے تو ثابت ہوا کہ محبت روح کے ساتھ ہے۔ مگر پھر بھی صورت کی ایسی فریفتگی ہے کہ اس کو دیکھ دیکھ کر کہتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست(۴)

جس طرف نگاہ کرتا ہوں دل نکلا جاتا ہے اس کی خوبی دیکھ کر بیساختہ یہ نکلتا ہے ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو، پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

اس کی جوتی اس کی جراب دیکھ کر یہ حالت ہے دل کھینچتا ہے، تو کیوں صاحب عاشق تو آپ روح کے ہیں مگر اس روح کے تعلق کی وجہ سے آپ کو صورت بھی محبوب ہے یہی یہاں بھی سمجھ لیا ہوتا کہ رکوع وسجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں۔

(۱) یہی تقاضہ ہے (۲) کیا ہم اس کو تمہارے گلے مڑھ دیں گے اور تم اسے نفرت کئے چلے جاؤ (۳) کریموں پر کار دشوار نہیں ہے" (۴) سر سے پیر تک جس طرف نگاہ ڈالتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ ہے"۔

جس طرح تم معشوق ظاہری کی آرائش کے دلدادہ ہو اسی طرح اس کی بھی تزئین وتحسین کرو۔ چوڑی، مہندی، کنگھی چوٹی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا وہ طریقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتا گئے ہیں۔ جیسا کہا گیا ہے ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد(۱)

اس زیور متعارف کی اُسے ضرورت نہیں سادگی ہی اس کا زیور ہے کہ اعتدال ہو اس کو توڑو مروڑ نہیں کہ رکوع کیا تو گھڑی کے لنگر کی طرح اُچھلے اور فوراً کھڑے ہو گئے۔ سجدہ کیا تو اس قدر جلدی کہ اپنے سر میں بھی چوٹ لگی اور مسجد کا فرش بھی ٹوٹا۔

ادائیگی نماز میں کوتاہی

دو شخص تھے، آقا و نوکر، ان دونوں نے آپس میں شرط لگا رکھی تھی کہ دیکھیں کون پہلے فارغ ہوتا ہے۔ نماز شروع کی، لگے دونوں صاحب جھٹا جھٹ رکوع، سجدہ کرنے نماز ختم۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے آپ لوگ قرأۃ اور دعائیں التحیات وغیرہ گھر سے پڑھ آتے ہیں صرف اٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہے۔ بعضے امامت میں بھی ایسا کرتے ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں نے ایک امام کی اقتداء کی انہوں نے نیت باندھی میں نے بھی نیت باندھنا چاہی جتنی دیر میں نے نیت باندھی وہ رکوع میں چلے گئے میں رکوع میں گیا تو وہ سجدہ میں پہنچ چکے تھے میں سجدے میں گیا تو وہ کھڑے ہو چکے تھے۔ غرض میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو نیت توڑ کر علیحدہ ہو گیا افسوس لوگوں نے یہ گت بنائی ہے نماز کی، اور اگر کسی کو رحم آ گیا اور اس نے اس کی اصلاح کی تو اس قدر لمبی سورتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ لوگ اکتا جاتے ہیں۔ رڑکی میں ایک امام تھے گرمی کا زمانہ مقتدی دھوپ میں جل رہے ہیں مگر انہیں لمبی سورتیں پڑھنے کا شوق تھا ایک مرتبہ کوئی بڑی سورت پڑھی۔ کسی نے کہا کہ حضرت کچھ تو ہم لوگوں کے حال پر رحم کیجئے گرمی اور دھوپ

(۱) دلفریباں نباتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہے۔

نہیں اس قدر ہے اور آپ ایسی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں، کہنے لگے کہ یہاں کی دھوپ برداشت کی جاتی تو وہاں کی دوزخ کی آگ کی کیونکر برداشت ہوگی۔ سبحان اللہ گویا ان کے نزدیک سب دوخی تھے اور یہ انہیں دوزخ کا عادی بناتے تھے۔ منحوس کہیں کا۔ بہرحال یہ وہ حالت ہوئی کہ

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

غرض اعتدال نہیں ہے بڑھائیں گے تو اس قدر کہ لوگوں کو عذاب ہوجائے گھٹائیں گے تو اس قدر کہ بچوں کا کھیل ہوجائے۔ کہیں افراط کہیں تفریط۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں اعتدال وانتظام

وجہ اس کی یہ ہے کہ سنت کا اتباع نہیں نماز روزہ تو بڑی چیز ہے آپ کے تو ہر فعل میں اعتدال وانتظام تھا نشست وبرخاست میں، خورونوش میں، گفتار میں رفتار میں۔(۱) اسی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان خلقه القرآن کہ قرآن میں جو امور مذکور ہیں وہ آپ کے لئے مثل امور طبعیہ عادیہ کے ہوگئے تھے۔ چنانچہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا آپ اپنی جگہ سے کھسک جاتے (۲)۔ اللہ اکبر ایسی باریک باتیں آپ سے طبعی امور کی طرح سرزد ہوتی تھیں۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ آنے والے کی دلجوئی اس کی قدردانی اس کے آنے سے مسرت کا اظہار اور قرآن میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا﴾(۳) قرآن میں تو یہ ہے کہ تمہیں جب جگہ چھوڑنے کا حکم ہو اس وقت کھسک جاؤ اور آپ کو باوجود یکہ جزئی حکم نہیں ہوا تھا مگر آپ کھسک جاتے تھے کہ آپ کی نظر اس حکم کی علت پر تھی۔ پس ایسی غامض (باریک) بات اور وہ

(۱) اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے گفتگو اور چلنے پھرنے میں ہر چیز میں اعتدال تھا (۲) تھوڑا سا ہٹ کر اس کو بیٹھنے کی جگہ دیدیتے (۱) ''دلفریبان بناتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہے'' (۲) ''اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھولدو تو تم جگہ کھولدیا کرو'' سورۃ المجادلۃ: ۵۸/۱۱۔

آپ کی طبیعت کا مقتضا ہوگئی تھی پس آپ کھسک جاتے تھے۔ اور انتظام کی نسبت شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام انتظام سے ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر ہفتہ مسجد قبا میں تشریف لے جانے کا معمول تھا۔ برابر تشریف لے جاتے تھے، اوروں کو کام کا شروع کرنا سہل ہے مگر اس کو اخیر تک نباہ دینا یہ بہت دشوار ہے ؎

لوگ کہتے ہیں چاہ مشکل ہے سب غلط ہے نباہ مشکل ہے

ہم سے اگر اس قدر پابندی ہوگی تو دشواری سے ہوگی اور حضور ﷺ کو کچھ مشکل نہ تھا حق تعالیٰ نے آپ کی طبیعت کی ساخت ہی ایسی رکھی تھی کہ کوئی کام آپ کا اعتدال وانتظام کے خلاف نہ ہوتا تھا اور آپ بے تکلف چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی رعایت فرماتے تھے۔ پچھلی شب کو آپ جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک بار میری نوبت (۱) میں آپ بقیع تشریف لے گئے تو قام رویدًا آہستہ اٹھے تاکہ پاس کے سونے والوں کو تکلیف نہ ہو وانتعل رُوَیْدًا جوتا بھی آہستہ پہننا۔ نسائی شریف میں ہے کہ اسی طرح آپ نے دروازہ بند کیا تو آہستہ، اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رعایت کا حالانکہ آپ کی شان محبوبیت کی تھی۔ حضرت عائشہ کو بھلا آپ سے کیا تکلیف ہوتی ان کی تو آپ کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ ؎

گر برسرو چشم من نشینی نازت بکشم کہ ناز نینی (۲)

مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ انہیں اذیت نہ ہو یہ امور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طبعی تھے تکلف سے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا اگر ہو تو کب تک ہوسکتا ہے۔

مشق کی ضرورت

مثل مشہور ہے کہ نئے نمازی کا پاؤں نہیں مڑتا جبتک عادت نہ ہو ایک

(۱) میری باری میں (۲) ''اگر میری آنکھ وسر پر بیٹھے تو ناز تیرے اٹھاؤں اس لئے کہ تو نازنین ہے''۔

ولایتی بوڑھے آدمی تھے انہوں نے مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقد انامل (۱) سکھانے کی درخوست کی مولانا سکھانے بیٹھے ان سے ایک انگلی کھلواتے ہیں تو سب کھل جاتی ہیں ایک بند کراتے ہیں تو سب بند ہوجاتی ہیں ملاّ دو پیازے کی طرح کہ مرتے مرتے مسخرہ پن کر گئے۔ ٹانگیں اونچی کر کے مر گئے۔اب جو اِن کی ٹانگیں نیچی کرتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتے ہیں اور اگر ان کو لٹاتے ہیں تو ٹانگیں اونچی ہوجاتی ہیں۔ خیر یہ ولایتی بہت دیر تک اس کی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح آجائے۔ جب طالب علم ہنسنے لگے تو آپ کہتے ہیں کہ فرض کرلو کہ ایک کھلی ہے اور سب بند ہیں۔ سبحان اللہ جب گننے بیٹھو گے تو یہی کہہ لینا کہ فرض کرلیا کہ ایک کھلی ہے اور سب بند ہیں۔ نئے نمازی کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ پہلے بہت دشوار معلوم ہوتی ہے اس کے بعد پھر مشق ہوتے ہوتے آسان ہوجاتی ہے اسی طرح اخلاق بھی، کہ شروع میں ان کی پابندی مشکل ہوتی ہے آخر میں مشق اور عادت ہونے کے بعد سہل ہوجاتے ہیں اب لوگ مشقت سے گھبراتے ہیں اور اصلاح اخلاق بدون اس کے ہوتی نہیں۔

(۱) ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح شمار کرنے کا طریقہ حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے کہ قیامت میں انگلیاں گواہی دیں گی۔ عقد انامل سے دس ہزار تک بلا اشتباہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے طریقہ یہ ہے دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں ان پر اکائیاں گنیں پہلے چھوٹی انگلی ہتھیلی کے بیچ میں بند کریں پھر اس کے ساتھ والی پھر اسی کے ساتھ والی تین ہوگئے پھر اسی ترتیب سے کھولیں جب تیسری کھولیں درمیان کی بند کریں تاکہ اشتباہ نہ ہو۔ پھر اس ترتیب سے ہتھیلی کے آخر میں بند کریں، ۹ تک گنتی پوری ہوگئی اب انگوٹھے اور شہادت کی انگلی پر دھائیاں گنیں شہادت کی انگلی کے سرے کو انگوٹھے کے پہلے پور پر اندر کی طرف رکھیں دس ہوئے اب انگلیاں کھول کر پھر پہلے کی طرح گنیں ۱۹ ہوگئے ۲۰ کے لئے انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھیں، ۳۰ کے لئے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے سرے ملادیں، ۴۰ کے لئے انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ سے نیچے ہتھیلی کے نشان پر رکھیں، ۵۰ کے لئے انگوٹھے کو شہادت کی انگلی کے نچلے نشان پر باہر کی جانب اس کے اوپر ۶۰ اس کے اوپر ۷۰ اور ۸۰ کے لئے شہادت کی انگلی کا سرا انگوٹھے کی پشت پر رکھیں ۹۰ کے لئے شہادت کی انگلی موڑ کر انگوٹھے کی جڑ میں رکھیں۔ سیکڑے یعنی ۱۰۰ کے لئے دوسرے ہاتھ کی چھوٹی انگلی بند کریں باقی سیکڑے اسی طرح شمار کریں جس طرح دائیں ہاتھ میں اکائیاں شمار کی تھیں اور ہزار کے لئے اسی ترکیب مذکورہ پر انگوٹھے اور انگلی کو استعمال کریں۔ یہ پورا طریقہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اوراد رحمانی'' ص ۶۷ پر اردو میں نقل کیا ہے۔

تربیت اخلاق

حضرت شاہ غلام علی صاحب مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے تھے ایک مرتبہ کہیں سے مٹھائی آئی، مرزا صاحب نے فرمایا غلام علی مٹھائی لو۔ یہ گئے اور جا کر ہاتھ پھیلا دیا۔ فرمایا بڑے ہی گنوار ہو۔ ارے کوئی برتن یا کاغذ لاؤ، خیر یہ بیچارے کاغذ لے گئے اور مٹھائی لا کر کھائی۔ دوسرے وقت پوچھا غلام علی مٹھائی کھائی تھی۔ عرض کیا جی ہاں! فرمایا کچھ ہے یا سب کھالی، عرض کیا سب کھالی۔ فرمایا بڑے ہی گنوار ہو ارے مٹھائی بھی کوئی پیٹ بھرنے کی چیز ہے جو ایک دم سے کھا گئے۔ بچارے بات بات میں گنوار بنتے تھے۔ ساری عمریوں ہی گذر گئی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

''جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا''

درستی اخلاق کی مثال

درستی اخلاق کی یہ مثال ہے کہ مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ فزوین(۱) میں رواج ہے کہ بدن گودوایا(۲) کرتے ہیں۔ ایک شخص نے گودنے والے سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنادو اس نے سوئی لیکر جیسے ہی اس کو چبھویا۔ اس نے کہا آہ غضب کرتا ہے بھئی کیا بناتا ہے اس نے کہا دم بناتا ہوں بولا کہ بھئی دم کا کیا کام ہے کیا بغیر دم کے شیر نہیں ہوتا، اس دُم نے تو دَم نکال دیا۔ کہا پیٹ بناتا ہوں۔ کہا ارے یہ کوئی کھانا کھائیگا پیٹ بھی چھوڑ دے۔ اس نے پیٹ بھی چھوڑ دیا۔ اسی طرح اس نے دوسری طرف سوئی چبھوئی پھر پوچھا اب کیا بناتا ہے؟ کہا منہ بناتا ہوں، بولا ارے بھائی یہ تو تصویر ہے۔ اسے بولنا نہیں پڑے گا، اسے بھی چھوڑ۔ اس نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ پھر اور طرف سوئی چبھوئی، اس نے پھر پوچھا اب کیا بناتا ہے۔ اس نے کہا کان بناتا ہوں کہا کیا شیر بوچے (۳) نہیں ہوتے

(۱) ایک جگہ کا نام ہے (۱) جسم میں سوئی سے گود کر تیل بھرتے ہیں جس سے نام وغیرہ جسم پر لکھدیتے ہیں (۲) کان کٹے۔

کان بھی چھوڑ اس نے جھلا کے سوئی پھینکدی اور کہا کہ ؎

شیر بے گوش وسروشکم کہ دید ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید(۱)

ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا۔ میں کیا بناؤں گا۔ آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں ؎

گر بہر زخمے تو برکینہ شوی پس کجا صیقل چو آئینہ شوی(۲)

کہ ہر تنبیہ پر مرشد کی اگر تمہاری یہ حالت ہو کہ تمہارے نفس میں کدورت ہو تو ؎

چوں نہ داری طاقت سوزن زدن پس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن(۳)

اگر سوئی چبھنے کا تحمل نہیں تو اخلاق تو یوں ہی درست ہوتے ہیں۔ حضرت پیروں(۴) نے یوں ہی اخلاق درست کئے ہیں۔

آج کل کے مریدین کا حال

اور اب تو یہ حالت ہے کہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے اور سب کچھ ہوجائے۔ چنانچہ کہتے ہیں حضرت ایسی عنایت فرمائیے کہ گناہوں سے نفرت ہوجائے تو گویا ان کے نزدیک پیر پانچواں کمین ہے(۵) کہ ان کے گناہوں کو صاف کیا کرے گا۔ گویا مہتر ہے(۶)۔ اور اس کے تو یہ معنی ہیں کہ اے پیر ہم نے تو اس واسطے تمہیں پیر بنایا ہے کہ ہمارا گوہ اٹھا کر پھینکدیا کرو۔ بس چھ ماہی(۷) کیا ہوگی۔ بڑی بڑائی ایک روپیہ(۸) ورنہ پیر تو خود کھلایا کرتے ہیں۔ تو کمین تو ہوا پانچواں اور بہنگی سے بدتر کہ اسے چھ ماہی کچھ مل تو جاتا ہے اور اس غریب کو اور اپنے پاس سے دینا پڑتا ہے۔

(۱) ''شیر بغیر کان، سر اور پیٹ کا کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا'' (۲) ''اگر ہر زخم پر تم پر کینہ ہو یعنی مرشد کی ہر تنبیہ پر ناک بھوں چڑھاؤ تو کس طرح قلب مثل آئینہ کے صاف ہوسکتا ہے'' (۳) ''جب سوئی چبھنے کی تم میں طاقت نہیں ہے تو شیر ہونے کے دعویٰ نہ کرو'' (۴) بزرگوں نے (۵) بھنگی جو غلاظت اٹھاتا ہے (۶) جمعدار (۷) مردے کی فاتحہ خوانی جو مرنے کے چھ ماہ بعد کی جاتی ہے (۸) تنخواہ چھ ماہ کی ایک روپیہ۔

مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ کسی کے پاس ایک شخص آئے اور کہا کہ ہمیں اپنا چیلہ بنالو انہوں نے کہا بھئی چیلہ (۱) بننا بہت مشکل ہے۔ تو کہنے لگے اچھا پھر گرو (۲) ہی بنالو۔ اسی طرح آجکل جو لوگ مرید ہونے آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں گرو بننے آتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص بیعت کے ارادے سے میرے پاس آئے تھے جب یہاں آئے تو دو عیب مجھ میں نکالے ایک کپڑا قیمتی پہنتے ہیں، دوسرے لطائف کی تعلیم نہیں۔ میں نے کہا ٹاٹ تو آپ بھی نہیں پہنتے، اور میں نے کب دعویٰ کیا کہ میں لطائف کی تعلیم دیتا ہوں جب کوئی دعویٰ کرے تو آپ کہیں۔ انہیں اس کی سزا ملی کہ وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں یہاں سے بھی زیادہ قیمتی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ بھلا ایسے لوگوں کی کیا اصلاح، ہو جو خود پیر کی اصلاح کے خیال سے آئیں۔

مریدین کا برتاؤ

ہمارے یہاں ایک بی بی مہمان آئیں۔ ہمارے یہاں ایک اور عزیز بھی مہمان آئی ہوئی تھیں ان کی بچی کے پاس گڑیا تھی۔ دیکھ کر کہا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے یہاں کی لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں (۳) اور یہ منع نہیں کرتے مجھے اس کی اطلاع ہوئی میں نے اس سے کہا کہ اول تو وہ لڑکی ہمارے یہاں رہتی نہیں، دوسرے ہمیں اس کی اطلاع نہیں تھی کہ ہم منع کرتے۔ باقی تمہارے مذاق کے موافق جواب یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کے واسطے آئی ہو یا ہماری اصلاح کے واسطے یہ تو ضدم ضدّا ہوئی کہ ہم کوئی خرابی نکال کر تمہاری اصلاح کریں تم ہمارا عیب ڈھونڈ کر اس کی اصلاح کرو۔ یہ تو کچھ ٹھیک نہیں۔ یوں کرو کہ ہم پر عیب ہیں پہلے تم ہمارے عیبوں کی اصلاح کرو۔ تم جس طرح بتاؤ گی ہم تمہارے کہنے کے موافق کریں گے جب

(۱) شاگرد (۲) استاد (۳) یہ گڑیاں آج کل کی گڑیوں کی طرح شکل وصورت والی نہیں تھیں بلکہ کپڑے میں روئی بھر کر بغیر ناک کان آنکھ کے گڑیاں بنا کر بچیاں کھیلتی ہونگیں جیسے اس زمانے میں رواج تھا وہ بھی حضرت کی اجازت سے نہیں تھا نہ ان کو اس کی اطلاع تھی اس لئے اعتراض غلط تھا ورنہ آج کل کی گڑیاں تو بتوں کی مانند ہیں جنکا رکھنا اور بچوں کو کھیلنے دینا جائز نہیں۔

تمہارے نزدیک ہماری اصلاح ہوجائے گی پھر ہم تمہاری اصلاح اسی طرح کریں گے۔ بیچاری بہت شرمندہ ہوئیں اور بہت معذرت کی ۔ بھلا یہ کوئی طریقہ ہے کہ جاؤ اپنی اصلاح کو، اور بیٹھ جاؤ پیر کی اصلاح کرنے اگر پیر پسند ہوتو اس کے پاس ٹھہرو اگر پسند نہ آئے تو کسی دوسرے کو تلاش کرلو۔ اگر کوئی مریض طبیب سے یوں کہنے لگے کہ آپ نے گل بنفشہ چار ماشہ کیوں لکھا تو اس کے جواب میں وہ یہی کہے گا کہ آپ اپنا علاج کرانے آئے ہیں یا مجھے سبق پڑھانے آئے ہیں واقعی ان باتوں سے کدورت ہوتی ہے پھر نفع نہیں ہوتا۔ یہ گویا اس وقت میں مریدوں کا برتاؤ ہے۔ اس لئے شیخ کے کہنے کا تحمل نہیں کرتے ہاں جو سعید ہیں وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں ۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست می دارند جوانان سعادتمند پند پیر دانا را(۱)

بہرحال اول اول تو مشقت ہی ہوگی اس کے بعد جو باتیں مشقت اور تکلیف سے کرنا پڑتی تھیں طبعی بن جائیں گی۔ غرض اعتدال ہر امر میں مطلوب ہے پس نماز میں بھی اعتدال استغراق سے زیادہ ضروری ہے۔

ہماری نماز بیکار نہیں

پس یہ نہ سمجھو کہ اگر استغراق نہ ہوتو ایسی نماز بیکار ہے۔ واعظوں نے اس شعر کے معنی کہ ؎

بر زباں تسبیح و دردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر(۲)

یہ گڑھے کہ ایسی نماز مفید نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جس روز معانی کی خریداری ہوگی یہ صورتیں ہی معانی کے بھاؤ بکیں گی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ امراء کے دربار میں مٹی کے مصنوعی آم، مصنوعی خربوزہ ، پستہ بادام بڑی قدرو وقعت کے ساتھ خریدے جاتے ہیں کہ بڑا کامل ہے کہ نقل کو اصل سے ملادیا۔ کیا عجب ہے کہ تمہارے ساتھ وہاں ایسا ہی ہو، ارے صاحب دیکھ لینا کہ ایسا ہی ہوگا۔

(۱) ''نصیحت مانو اس لئے کہ ''سعادتمند جوان'' پیر دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں''
(۲) زبان پر تسبیح دل میں گاؤخر یعنی دنیاوی خیالات ایسی تسبیح کب اثر رکھے''۔

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی

خود فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۱) اسی وقت اس میں ایک لطیفہ ذہن میں آیا فرماتے ہیں انفسھم واموالھم یہ نہیں فرمایا اعمالھم واموالھم اشارہ اس طرف ہے کہ اعمال تو نہیں نفس و مال تو ہے۔ زکوٰۃ دی، مال خرچ ہوا، نماز پڑھی، نفس پر تعب ہوا بس وہی خرید لیا گو وہ نفس و مال عبادت معتد بہا نہ سہی (۲)۔ مگر بشرطیکہ تم انہیں اعمال میں مصروف کرو پھر چاہے وہ عمل کامل نہ ہو، کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ گھوڑا مر گیا جھول کے وہ دام دے جو گھوڑے کے تھے (۳) انفسھم میں یہ لطیفہ اسی وقت سمجھ میں آیا۔ بہرحال یہ چاہے اس کی تفسیر نہ ہو مگر میری تقریر اس تفسیر پر موقوف بھی نہیں دوسری نصوص میں بھی یہ مضمون موجود ہے یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰت (۴) کہ سیئات کو حسنات سے بدل دیں گے۔

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حسنات ہی سیئات ہیں (۵) کیوں جی کبھی سنا ہے کہ کسی نے تنکے اور لکڑی کے وہ دام دیے ہوں جو مصری کے ہوں۔ مصری کے ساتھ میں تو مجبوراً لینا ہی پڑتا ہے مگر صرف تنکوں کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہے۔

خود کہ باید ایں چنیں بازار را — کہ بیک گل مے خری گلزار را (۶)
نیم جاں بستاند وصد جاں دہد — آنچہ در وہمت نہ آید آں دہد (۷)

دنیا کے درمیان میں خدمت پوری لی جاتی ہے اور معاوضہ خیال سے کم ملتا ہے۔ یعنی اپنے خیال میں وہ جتنے کا مستحق سمجھتا ہے اتنا نہیں ملتا۔ اگر بادشاہ بھی کسی کو کتنا ہی دیدے تب بھی یہ ہوس ہوتی ہے کہ ابھی اور ملتا۔ وہاں یہ ہے کہ خدمت

(۱) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی'' سورۃ التوبۃ: ۹/۱۱۱ (۲) قابل شمار عبادت نہ سہی (۳) کاٹھی اتنے پیسوں میں خرید لی جتنے کا گھوڑا تھا (۴) سورۃ الفرقان: ۲۵/۷۰ (۵) ہمارے نیک اعمال ہی گناہ ہیں (۶) ''ایسا بازار کہاں ہوگا کہ ایک پھول کے بدلے سارا چمن مل جائے'' (۷) فانی وحقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے باقی جان عطا کرتے ہیں جو وہم وگمان میں بھی نہیں آتا۔ عنایت کرتے ہیں''۔

ناقص مگر معاوضہ اس قدر کہ مالارات عین ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (۱) کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خطرہ گذرا۔ وہ ایسا خریدار ہے کہ اگر صورت درست ہوگی وہی خرید لی جائے گی۔

رکوع سجود میں اعتدال

چنانچہ قیامت میں دیکھ لینا حدیث شریف میں جو رکوع وسجود کی فضیلت آئی ہے وہ مطلق ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ قلب میں گاؤخر کے خیالات نہ ہوں ہاں اعتدال ضروری ہے۔ چنانچہ جس نے اعتدال نہیں کیا تھا اسے آپ نے فرمایا تھا صل فانك لم تصل (۲) نماز پھر سے پڑھو۔ اور اس میں یہ نہیں پوچھا تھا کہ روح بھی تھی یا نہیں اور یہ رحمت ہے جو بواسطہ آپ کے مرحمت ہوئی کہ مبتدیوں کو اعتدال کا تو امر کیا مگر روح ڈالنے کا امر نہیں کیا۔ ابتدا میں عیسیٰ علیہ السلام یہ کیا کرتے تھے کہ تصویر بنا لیتے تھے پھر اس میں روح پھونکتے تھے۔ اسی طرح ابھی تم تصویر بناؤ، روح بعد میں پھونک دی جائے گی۔ مگر تصویر تو پوری بناؤ یہ نہیں کہ تصویر ادھوری ڈھالی تو اگر اس میں روح ڈالی بھی گئی تو لنڈوری (۳) کس کام کی ہوگی۔ تو یہی بات ہے کہ تم رکوع وسجود اچھی طرح کرلو اگر روح نہ ڈال سکو تو کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ اگر ذکر ہو اور فکر نہ ہو تو فکر نہ کرے ذکر اچھی طرح کرتا رہے۔ ان شاء اللہ سب کچھ ہوجائے گا۔ یہ نہ کرے کہ بجائے اس کے کہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا دلگیر ہوکر اسے بھی چھوڑ دے۔

جہانگیر ونور جہاں کی حکایت سے استدلال

جیسا نور جہاں کے بچپن کی حکایت ہے اور وہی سبب ہوا جہانگیر کے نور جہاں پر فریفتہ ہونے کا کہ یہ میلہ میں گیا تھا کبوتروں کا بڑا شوق تھا ہاتھ میں دو کبوتر لیے تھا۔ نور جہاں لڑکی سی سامنے آرہی تھی اسے دیکھ کر وہ کبوتر اُسے دیدیئے

(۱) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: یریدون ان یبدلوا کلام اللہ: رقم الحدیث ۷۰۵۹ (۲) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب حد اتمام الرکوع والاعتدال فیہ والاطمانیۃ: رقم الحدیث ۷۶۰ (۳) بے کس اور دُم کٹی تصویر کسی کام کی۔

کہ ذرا تھامے رہ(۱) میں ابھی آ کر لے لوں گا۔ جب فارغ ہوکر آیا تو دیکھا کہ ایک کبوتر اڑ چکا تھا تعجب سے پوچھا کیسے اڑ گیا۔ اس نے دوسرا کبوتر چھوڑ کر دکھا دیا کہ ایسے اڑ گیا۔ اس کے اس بھولے پن پر فریفتہ ہوگیا ؎

شاہد آں نیست کہ موی ومیانے دارد بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد(۲)

تو یہ مثال اس پر یاد آئی کہ بجائے اس کے کہ اس کی کوشش کرتے کہ نماز میں روح بھی پیدا کریں صورت کو بھی چھوڑ بیٹھے جس طرح اس نے کیا کہ بجائے اس کے کہ پریدہ(۳) کو ڈھونڈتی پر دریدہ کو بھی پریدہ کردیا(۴)۔ تم بھی بزرگوں کے کلام کے اچھے معنی سمجھے کہ اگر گاؤخر کے خیالات ہوں تو نماز نہ پڑھو۔ معنی یہ ہیں کہ ایسی نماز میں کوشش کرو کہ یہ خیالات نہ آئیں نہ یہ کہ اسے بھی چھوڑ دو۔ اگر یہ معنی سمجھے تو وہ نام کی تو نور جہاں(۵) تھی تم تو بالکل ظلمت جہاں(۶) ہو۔ بلکہ وہ بھی جہانگیر کے حق میں تو ظلمت جہاں تھی خود چاہے جیسی ہو کیونکہ کل مااشغلك عن الحق فهو طاغوتك (جو چیز تجھ کو حق سے روگردان کردے وہی شیطان ہے) اسی کے عشق میں جہانگیر نے کیا کیا اس کے شوہر کو لڑائی میں بھیج کر بہانہ سے قتل کرایا۔ غرض اس کے حق میں تو وہ بھی ظلمت جہاں ہوگئی تھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے دوڑا جارہا تھا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا۔ شیطان یتبع شیطانة(۸) کہ ایک شیطان شیطان کے پیچھے جارہا ہے۔ تو واقع میں وہ کبوتر شیطان نہ تھا مگر اسکا شیطان تھا پس تقدیر حدیث کی ہے یتبع شیطانته اس تفسیر کو بزرگوں نے طاغوتك میں مضاف الیہ کو ذکر کرکے ظاہر کردیا یعنی شیطان یتبع شیطانة معنی یہ ہیں کہ ایک شیطان اپنے شیطان کے پیچھے جارہا ہے تو نور جہاں اس اعتبار سے ظلمت جہاں ہوئی اسی طرح تم بھی اگر اس کے یہ معنی سمجھو گے تو ظلمت جہاں ہوگے۔

(۱) تھوڑی دیر کے لیے پکڑے رہو (۲) معشوق وہ نہیں کہ اچھے بال اور پتلی کمر رکھتا ہو حسین وہ ہے کہ اس میں کچھ آن ہو" (۳) اڑے ہوئے کبوتر کو تلاش کرتی (۴) پکڑے ہوئے کو بھی اڑادیا (۵) جہان کی روشنی (۶) جہان کا اندھیرا (۷) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی اللعب بالحمام: رقم الحدیث: ۴۹۴۲۔

روح کے معنی کی تحقیق

الغرض روح کے سمجھنے میں دو غلطیاں ہوئیں ایک تو جہلائے صوفیہ کو کہ انہوں نے روح کو مقصود سمجھ کر صورت کو بالکل اڑا دیا اور دوسرے اہل ظاہر کو کہ انہوں نے صورت کو اڑایا تو نہیں، مگر صورت کو بے وقعت و بے قدر سمجھنے لگے پس اس وقت روح سے میرا وہ مقصود نہیں کہ جو لا بشرط شی کے مرتبہ میں ہے یعنی مطلق ذکر گو نماز سے جدا پایا جاوے، بلکہ میں وہ روح بیان کرنا چاہتا ہوں جو بشرط شے کے مرتبہ میں ہے یعنی بشرط تحققه فی ضمن الصلوٰۃ (۲) کیونکہ لا بشرط شے کا مرتبہ تو ماہیۃ کا ہے کیونکہ زید میں اگر روح آئے اور عمرو میں نہ آئے تو یہ تو صادق آیا کہ روح عمرو کی لا بشرط شے کے درجہ میں پائی جاتی ہے مگر اس سے عمرو زندہ نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر زید مرجائے تو یہ صادق آتا ہے کہ لا بشرط شے کے مرتبہ میں روح زید کی مفارق ہوگئی مگر یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بھی مرجائے۔ میں بشرط شے کے مرتبہ میں جو روح ہے اُسے بیان کروں گا۔ مثلاً زید کی روح بشرط تحققه فی زید (اس کے زید میں محقق ہونے کی شرط پر) کہ جب اس میں آئے گی تو وہ زندہ ہوگا اور اگر نکلے گی تو وہ مرے گا۔ تو گویا یہ روح ہے اس خصوصیت کے مرتبہ میں جو آج مقصود بالبیان ہے۔ البتہ اس روح کے نوع (۲) اور افراد بھی ہیں یعنی دوسرے افراد ذکر کے، ان کی بھی قدر کرنی چاہیئے۔ بہرحال دو غرض سے آج بیان کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ اس نماز خاص (۳) کی بھی قدر کریں اور افراد ذکر کی بھی قدر کریں کہ وہ بھی روح صلوٰۃ کے مشارک فی النوع ہیں (۴)۔

روح نماز

الغرض آج بیان سے مقصود یہ ہے کہ نماز کی روح کیا ہے بس جس طرح

(۱) (اس کے نماز کے ضمن میں متحقق ہونے کی شرط پر (۲) اسی کی قسم سے (۳) تراویح (۴) ذکر کے دوسرے افراد بھی روح صلوۃ کی نوع میں شامل ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱) سے روح صوم کی طرف اشارہ ہے اسی طرح اس آیت میں بہ نسبت اس کے روح نماز کی کسی قدر زیادہ صراحت ہے اور ہر چند کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی ہے مگر چونکہ عقائد واخلاق میں ہم میں اور امم سابقہ میں کچھ فرق نہیں۔ فرق صرف اعمال ظاہرہ میں ہے۔ اس لئے یہ آیت ہم پر بھی حجت ہے اور اس حیثیت سے بھی حجت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ بلانکیر (۲) ہم کو سنایا جارہا ہے میں اس وقت صرف اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي (۳) کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں اور دوسرے اجزاء کو محض تبرکاً اور ادباً تلاوت کیا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک سورۃ کی بہت سی آیتیں پڑھے اور ایک آیت سجدہ کو چھوڑ دے تو مکروہ ہے اسی طرح مجھے بھی اور اجزاء کا چھوڑنا خلاف ادب معلوم ہوا۔ ترجمہ اس جزو کا یہ ہے کہ نماز کو قائم رکھو میرے ذکر کے واسطے لِذِكْرِي میں لام غایت کا ہے یعنی نماز کی غایت وروح (۴) میری یاد ہے۔ یہاں روح سے مراد بخارات لطیفہ جو قلب میں پیدا ہوتے ہیں یا جوہر مجرد (۵) نہیں بلکہ نماز کی غایت وہی اس کی روح ہے۔ یعنی غایت نماز سے کیا ہے حق تعالیٰ کی یاد۔ جیسا کہ صوم کی غایت وروح مجاہدہ ہے جس کا بیان اس سے پہلے ہو چکا۔ حق تعالیٰ نے اس ''لام'' (۶) سے نماز کی روح بتلادی حاصل یہ ہوا کہ نماز کی روح کیا ہے جسے پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ میری یاد ہے۔

صورت نماز کا فائدہ

اے صاحبو! نماز کو غور کر کے دیکھو کہ اس میں روح ہوتی ہے یا نہیں لیکن اگر روح نہ ہو تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ہاتھ پاؤں بھی کاٹ دو۔ کیونکہ پھر روح کیونکر آئے گی۔ اس لئے مادہ محفوظ رکھو کہ یہی مردہ تصویریں پھر زندہ ہو جائیں گی۔ اسے اس طرح سمجھو کہ کوئی جانور ہے اس کی روح نکل چکی ہے۔ ایک حکیم آیا اس کے پاس ایک ایسا عمل

(۱) اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ (۲) بغیر انکار (۳) میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو (۴) نماز کا مقصد اور اس کی روح (۵) جو وہ ہر چیز جو خود بخود قائم ہو یہ ضد ہے عرض کی (۶) قرآن کریم میں جو ذکری پر لام داخل کیا ہے۔

ہے کہ ایک جانور کی روح دوسرے جانور میں منتقل کر دیتا ہے۔ مگر شرط ضروری یہ ہے کہ اس جانور کی گردن جڑی ہوئی ہو۔ اگر تم نے اس جانور کی گردن کاٹ دی ہے تو وہ صاحب عمل اس میں کس طرح روح منتقل کر سکتا ہے۔ تو جن کے پاس روح نہیں وہ اعضائے نماز کو ضرور درست رکھیں۔ اور یہ شبہ نہ کرو کہ جو نماز ہم پہلے پڑھ چکے ہیں اس کا کیا تدارک ہوا۔ یاد رکھو جب روح پڑے گی سب میں پڑ جائے گی اس واسطے کہ ہم توجہ الی اللہ کا اثر دیکھتے ہیں کہ ماقبل میں بھی ہوتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (۱) پچھلے سیئات حسنات سے بدل جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے الاسلام یھدم ماکان قبلہ (۲) تو دیکھئے عمل حال کا پچھلے اعمال میں بھی اثر ہوتا ہے۔ جب تمہارے حال کے اعمال میں روح پڑے گی تو پچھلے اعمال میں بھی پھیلے گی۔ اس میں راز یہ ہے کہ وہ اعمال باعتبار اپنے اثر کے قائم ہیں عامل میں۔ اور عامل ان کا محل ہے اور محل (۳) زمانہ حال میں موجود ہے تو حال بھی زمانہ حال میں موجود ہے۔ وہ ماضی کہاں ہے جس پر شبہ ہوا اور گو رخصت ہو چکے ان کا اثر ہم میں باقی ہے، اور حقیقت میں عمل تو یہ اثر ہی ہے کیونکہ اس کے معنی مصدری تو محض اعتباری انتزاعی شے ہے، پس حاصل مصدر ہی فعل ہے جو کہ اثر ہے اور یہ اثر باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل کشف کو صورتیں اعمال کی نظر آجاتی ہے۔ (۴)

اعمال کا اثر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی

(۱) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گذشتہ گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائیگا (۲) اسلام اپنے قبل کی بداعمالیوں کو ساقط کر دیتا ہے (۳) وہ عمل کرنے والا شخص (۴) حکیم الامت اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ جو اعمال ہم نے ماضی میں کئے تھے وہ تو موجود نہیں وہ نیکیوں سے کیسے بدل جائیں گے۔ جواب یہ ہے کہ وہ اعمال ہمارے ان اعضاء نے کئے تھے اور یہی اعضاء مرنے کے بعد زندہ کئے جائیں گے اور یہ محل ہیں ان اعمال کا۔ پس وہ اعمال بھی ظاہر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔

آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے۔ فرشتوں کو تو اعمال ماضیہ کا نامۂ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے اور اہل کشف کے لئے یہ شخص اپنا آپ نامۂ اعمال ہے۔

اسی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

غذائك فيك وما تبصره — دوائك منك وما تشعر (۱)

وانت الكتاب المبين الذى — باحرفه يظهر المضمر (۲)

وتزعم انك جرم صغيرٌ — وفيك انطوى العالم الاكبر (۳)

تو گویا تم خود کتاب مبین ہو۔

قیامت میں اعمال کا ظہور

قرآن مجید میں ہے: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (۴) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی بھی تفسیر فرمائی تھی۔ مشہور تفسیر تو اس کی مکتوب فی الصحیفہ (نامۂ اعمال میں لکھا ہوا) سے کی ہے۔ مگر مولانا فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہوں جب ظاہر الفاظ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا سے معلوم ہوتا ہے یعنی قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ جو اعمال ختم ہو چکے وہ کیسے عود کریں گے۔ محقق دوانی نے اسے اس طرح رفع کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ زوراء میں یہ ثابت کیا ہے کہ حقائق اعمال کے جوہر ہیں۔ یہ رسالہ حضرت (۵) نے میرے پاس بھیجا تھا۔ شاید بھیجنے سے یہ مقصود ہو کہ انکی تحقیق حضرت کو پسند آئی ہو واللہ اعلم میں اس کو یقیناً کہہ نہیں سکتا، کیونکہ کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے اس رسالہ کو دیکھا میری سمجھ میں

(۱) ''تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تم نہیں شعور کرتے''
(۲) ''تم وہ کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے'' (۳) ''تم اپنے آپ کو جرم صغیر (چھوٹا سا وجود) سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر (بہت بڑا عالم پوشیدہ ہے) لپٹا ہوا ہے'' (۴) ''جو اعمال انہوں نے کئے ہیں ان میں موجود پالیں گے'' الکہف: ۱۸/۴۹ (۵) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ۔

یہ بات تو نہیں آتی کہ حقائق اعمال جوہر ہیں، ہاں اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ معنی مصدری قیامت میں نہ ہوں گے بلکہ حسب تحریر مولانا محمد یقوب صاحب ان اعمال کے اثر قیامت کے روز شکلیں بن بن کر اہل محشر کو نظر آئیں گے۔ مثلاً جو چوری کر چکا ہے وہاں نظر آئے گا کہ چوری کر رہا ہے زنا کر چکا، وہاں نظر آئیگا کہ زنا کر رہا ہے غرض جو آثار اعمال کے اس کے بدن میں جمع ہیں سب وہاں اعمال بن کر نظر آئیں گے۔ اس کی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کردی ہے یعنی جس طرح بائیسکوپ (۱) کے اندر گذشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ بن جائیگا اور اس کے ہاتھ پیر گراموفون (۲) کی طرح جو کچھ اس نے کیا ہے بولیں گے۔

نماز کی روح کے ظہور کی تمثیل

ایک زانی کی حکایت ہے کہ وہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا غسل کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا، ایک بزرگ کا اُدھر سے گذر ہوا اس پانی کو دیکھ کر فرمایا اس میں زنا بہہ رہا ہے۔ پوچھا حضرت آپ کو کیوں کر معلوم ہوا فرمایا کوئی زانی غسل کر رہا ہے۔ مجھے پانی کے ہر ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔ تو حضرت تمام اعمال کے آثار اس میں پیدا ہو جاتے ہیں تو جو صور صلوتیہ (۳) پہلی ہیں وہ سب اس شخص کے اندر موجود ہیں تو یہ صلوۃ جس میں نفخ ہوا روح کا، اسی سے سب میں روح پھیل جائے گی (۴)۔ دیکھو جس وقت ایک آئینہ پر روشنی کا عکس پڑتا ہے تو وہ اپنے پاس کے آئینوں کو بھی روشن کر دیتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو (۵) جو بصورت ایک آئینہ کے اندر آتی ہے سب میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر پہلی نمازوں میں قابلیت ہے تو بھی ایک روح ان میں بھی پہنچ جائیگی کما قیل ؎

(۱) ایک مشین تھی جس میں غیر متحرک تصاویر کے ذریعہ دکھائی جاتی تھی (۲) ایک آلہ جس کے ریکارڈ سے آواز نکلتی ہے (۳) پچھلی پڑھی ہوئی نماز کی صورتیں (۴) تو جس نماز میں روح ڈالی جائیگی اسی سے تمام نمازوں میں روح پڑ جائیگی (۵) رکاوٹ۔

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ (۱)

اس واسطے میں کہتا ہوں کہ صورت کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔ مگر صرف صورت ہی پر قناعت نہ کرو۔ اس کی بھی کوشش کرو کہ روح کو اس سے متعلق کردو اور وہ روح کیا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (۲) حق تعالیٰ کا ذکر ہے اب اپنی اپنی نماز کو دیکھنا چاہیئے کہ ہے بھی ذکر۔ سو پہلے ذکر کی حقیقت سمجھ لیجئے میں اس کے مراتب بیان کرتا ہوں اس کے دو مرتبے ہیں۔ ایک ذکر حق اور ایک ذکر ذکر حق۔ ذکر حق کے معنی ہیں یاد حق۔ یاد کسے کہتے ہیں۔ غیر محقق صوفیوں نے اس کے معنی بہت دشوار کردیئے ہیں حالانکہ بالکل سہل ہے (۳)

تدریس میں اہتمام سہولت

جیسے بعض مدرسین کی عادت ہوتی ہے کہ سہل مقام کو بھی طالب علم کے سامنے دشوار کہدیتے ہیں معلوم نہیں اس میں کیا مصلحت ہے۔ شاید یہ خیال ہو کہ دشوار کہدینے سے طالب علم کو توجہ زیادہ ہوگی مگر یہ مقصود تو اس طرح بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ یوں کہدیا کرے غور سے سنو، معلوم ہوتا ہے کہ نیت ہی خراب ہے۔ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ایسے فاضل ہیں کہ ایسے مشکل مقامات کو اس طرح بے تکلف پڑھادیتے ہیں ایسے ہی بعض مدعین تصوف میں بھی خبط ہوتا ہے۔ (۴)

کانپور میں میری مدرسی کے زمانہ میں ایک طالب علم مولوی فضل حق تھے مجھ سے صدرا پڑھتے تھے صدرا میں مثناۃ بالتکریر کا مسئلہ نہایت دشوار مشہور ہے جب یہ سبق آیا تو میں نے یہ بتلانے سے پہلے کہ یہ فلاں دشوار مقام مشہور ہے اس کی تقریر کردی اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے بھی کہلوایا۔ جب معلوم ہوگیا کہ یہ سمجھ گئے تو میں نے کہا یہی مسئلہ مثناۃ بالتکریر کا ہے جو بہت دقیق مشہور ہے وہ یہ سنتے ہی گھبرا گئے۔ میں نے کہا

(۱) ''ایک سورج ہزاروں شیشوں میں چمکتا ہے'' (۲) میری یاد کے واسطے نماز کو قائم رکھو (۳) آسان (۴) بعض مدعیان تصوف میں بھی یہ خرابی ہوتی ہے۔

ڈرونہیں بس اب تو نکل گیا۔ دیکھو کس قدر سہل مقام کو دشوار مشہور کر رکھا ہے ؎

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

پھر جب سالانہ امتحان ہوا تو ممتحن بھی بڑے ہی رحمدل تھے یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے اس کو ایسا عمدہ لکھا کہ میں نے اب تک اس مسئلہ پر ایسی صاف تقریر کسی کی نہیں دیکھی واقعی وہ چھپوانے کے قابل تھی۔ اب معلوم نہیں وہ جامع العلوم میں ہے یا تلف ہوگئی میں نے کہہ تو دیا تھا کہ اس پرچہ کو محفوظ رکھا جاوے۔ سو بعض مدعیان تصوف کی یہ کیفیت ہے کہ وہ مسائل ضروریہ معامليہ تصوف کو ایسا چکر دے کر بیان کرتے ہیں کہ سننے والوں کو مشکل ہو۔ چنانچہ ذکر کے معنی اس عنوان سے بیان کئے کہ ذکر وہ ہے کہ نہ ذکر ذکر ہو نہ ذکر ذاکر ہو اب سب چکر میں ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہوا۔ اس کے بعد یہ خیال ہوجاتا ہے کہ جب اس کا سمجھنا مشکل ہے تو کرنا بدرجہ اولیٰ مشکل ہے کیونکہ کرنا بغیر سمجھے نہیں ہوسکتا۔

حقیقت ذکر

الحمد للہ میں بتاتا ہوں کہ ذکر کے کے معنی بہت آسان ہیں۔ ذکر کے وہ معنی ہیں کہ جو ہر ایک گنوار(۱) سمجھ سکتا ہے۔ سنو! ذکر کے معنی ہیں یاد۔ یاد کیونکر ہوتی ہے۔ جس وقت بیٹے کو یاد کرتے ہو تو کیا یہ خیال دل میں ہوتا ہے کہ میں یاد کر رہا ہوں۔ یا صرف بیٹے کا خیال ہوتا ہے۔ کسی محبوب کو یاد کرتے ہو تو اس وقت ذہن میں اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ میں اس کے حسن و جمال کو یاد کر رہا ہوں کیونکہ اگر یہ خیال ہو تو اس جملہ کی یاد ہوگی محبوب کی یاد نہ ہوگی تو حاصل ذکر کا یہ ہوا کہ یاد کرنے والا اس وقت سوائے اس کے جسے یاد کر رہا ہے کسی اور جز و کا خیال بالکل نہ کرے حتی کہ اس کا بھی کہ میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

تو یہ حقیقت ہے ذکر کی۔ تو خدا کی یاد بھی ایسی ہے کہ سوائے خدا کے کسی

(۱) ان پڑھ۔

اور کا دل میں خیال نہ ہوحتی کہ اس کا بھی کہ میں اس وقت خدا کو یاد کررہا ہوں۔

یہ اول درجہ ہے ذکر کا اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں مذکور کا خیال ہو ذکر کا خیال نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ ذکر کا یہ ہے کہ مذکور کی یاد نہ سہی تو ذکر ہی کی یاد سہی، یعنی یہی سہی کہ میں اس وقت یاد کررہا ہوں یہ ذکر کی یاد ہے مذکور کی بلاواسطہ یاد نہیں۔ مگر یہ بھی کافی ہے حالانکہ یہ حق ذکر سے متنزل ہے(۱) چاہئے تو یہ تھا کہ یہ کافی نہ ہوتا کیونکہ یہ ان کی یاد نہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم یاد کی بھی یاد نہیں کرتے اور مذکور کی تو یاد کیا کریں گے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے بیہودہ خیالات جمع ہوجاتے ہیں۔ نماز پڑھنے میں کہیں بیوی کا خیال ہے کہیں بچوں کا خیال ہے مولویوں کو درس کا خیال ہے ۔

شب چو عقد نماز بربندم چہ خورد با مداد فر زندم(۲)

ایک زبان دان اس کی عجب تفسیر کرتے تھے کہ شب چوعقد نماز بر بندم از غایت ہجوم مشاغل دنیا، بجائے تحریمہ میگویم چہ خورد بامداد فرزندم (رات کو جب میں نماز کی نیت کرتا ہوں تو دنیا کے مشاغل کی کثرت سے تکبیر تحریمہ کے بجائے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے) یعنی اوروں کی تکبیر تحریمہ تو اللہ اکبر ہے مگر ان کی تکبیر تحریمہ چہ خورد بامداد فرزندم (صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے) ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی کا مقام

امام غزالی کے ایک بھائی صاحبِ کشف تھے وہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ امام غزالی نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی۔ والدہ نے انہیں ساتھ پڑھنے کی تاکید کی خیر انہوں نے امام غزالی کی اقتدا کی۔ اتفاقاً نماز میں انہیں یہ خیال آیا کہ کتاب الحیض کا ایک مسئلہ لکھنے سے رہ گیا۔ بس جھٹ سے نیت توڑا الگ ہوگئے۔ امام غزالی نے پھر اس واقعہ کی اپنی والدہ سے شکایت کی۔ والدہ نے

(۱) ذکر سے نچلا درجہ (۲) رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے"۔

نے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔انہوں نے کہا کہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جس کا قلب خون حیض میں آلودہ ہے انہوں نے کہا تم نے خدا کی طرف سے توجہ چھوڑ کر ان کے قلب کی طرف توجہ کیوں کی۔اگر ان کا قلب خون حیض سے آلودہ ہے تو تمہارا قلب بھی تو اس قلب خون آلود سے آلودہ ہے تم کیا منہ لیکر اعتراض کرتے ہو۔خیر یہ حکایت اس پر یاد آ گئی کہ ایک وہ قلوب تھے کہ فقہ کے خیال کو بھی ذکر حقیقی کے سامنے پسند نہیں کیا ایک ہمارے قلوب ہیں کہ نماز کا بھی خیال نہیں اور وہ صاحب حال تھے ورنہ نماز میں دین کا خیال آنا یہ نماز کے منافی نہیں۔

ذکر اور فناء الفناء کی حقیقت

ہماری نماز میں تو کہیں دوکان کا خیال ہے کہیں مکان کا خیال ہے سو ذکر کا یہاں ذکر نہیں باقی اول درجہ تو وہی تھا کہ ذکر ہی ذکر نہ ہو فقط مذکور ہی کا ذکر ہو ؎

تو دروگم شو وصال این ست وبس گم شدن گم کن کمال این ست وبس (۱)

یہ فناء الفناء ہے کہ فنا کی بھی خبر نہ ہو۔اسی طرح بھول پکی یہ ہے کہ بھول کو بھی بھول ہو جائے سونے والا وہ ہے جسے سونے کی بھی خبر نہ ہو۔فانی وہ ہے جسے فناء کی بھی خبر نہ ہو۔اسی طرح ذاکر وہ ہے جسے ذکر کی بھی خبر نہ ہو اور اس تقریر سے اب تو فناء الفناء بھی مشکل بات نہ نکلی۔غرض ذکر حق یہ ہے کہ ذکر کا بھی ذکر نہ ہو۔ واقعی اگر اس کی شرح نہ کی جائے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی دقیق بات ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔بہرحال ذکر حقیقی تو وہ تھا کہ ذکر کا ذکر نہ ہو،مگر یہاں دوسرے دلائل سے ذکرِ ذکر ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کہ تم ذکرِ ذکر (۲) ہی رکھو ہم اپنی رحمت سے اسے بھی لذکری میں داخل کر دیں گے۔اگر کوئی یہ کہے کہ اس کی کیا دلیل کہ صرف ذکرِ ذکر پر اکتفا کرنے کی اجازت دے دی۔اس کی دلیل حدیث میں ہے

مَنْ تَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ مَقِيلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ لَمْ يُحَدِّثْ فِيهِمَا نَفْسُهُ (۳)

(۱) ”تم محبوب میں فنا ہو جاؤ بس یہی وصال ہے اور اس فنا ہونے کو بھی بھول جاؤ بس یہی کمال ہے“ (۲) تم اس ذکر ہی کا دھیان رکھو (۳) ”جس شخص نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز حضور قلب سے ادا کیں کہ ان میں وسوسہ نہ آیا“۔

تحیۃ الوضوء کی فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اچھی طرح سے وضو کر کے دو رکعت پڑھے اور ان پر متوجہ رہے۔ اب غور کرو کہ ان پر متوجہ رہنے کے کیا معنی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز ہی کی طرف توجہ رکھو یہی ذکر الذکر ہوا پس بادشاہ کی شان میں اگر قصیدہ کہو تو اگر ممدوح کا خیال نہ ہو تو مدح کا تو خیال ہو۔ اسی طرح یہاں اگر ذکر ہی کی طرف توجہ ہو ہم اسے اپنی رحمت سے اپنی ہی توجہ میں شمار کریں گے۔

ایک جاہل کی حکایت

اس کا راز فقہاء نے سمجھا ہے کہ ایک قاعدہ لکھا ہے۔ واقعی فقہاء بڑے عارف تھے۔ اور اسی کی بدولت یہ لوگ حدیث میں اجتہاد کر سکتے تھے۔ آجکل ہر شخص مجتہد و محدث ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ ایک تارک تقلید گنوار تھا اس سے کسی نے پوچھا فاتحہ خلف الامام کی کیا دلیل ہے اس نے کہا کہ ترمجی (ترمذی) میں آیا نہیں ہے کھِدَاجُ کھِدَاجُ حدیث میں آیا ہے خداجٌ خداجٌ یہ اس کی خرابی ہے۔ یہ محدث ہیں، صاحب! محدِّث (۱) نہیں یہ لوگ محدث ہیں (۲) چند حدیثوں کے غلط سلط بے سمجھے یاد کر لینے سے کوئی محدث ہو سکتا ہے ۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری دارد (۳)

مولوی محمد عمر بن مولانا اسماعیل کی حکایت

بعضے لوگ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو غیر مقلد کہتے ہیں ان کے صاحبزادے کی حکایت سے اس کا اندازہ کر لیجئے اس حکایت سے اول ان کی مقلدیت کا درجہ دیکھ لیجئے پھر سمجھ لیں کہ اگر یہ غیر مقلد ہوتے تو اُن کے صاحبزادے بھی اپنے باپ کی تربیت کی وجہ سے غیر مقلد ہی ہوتے۔ ان کا نام مولوی محمد عمر تھا۔ مجذوب منش تھے۔ پڑھا وڑھا کچھ زیادہ نہیں تھا۔ مگر ذکی غضب کے تھے اور ساتھ ہی بھولے بھی تھے۔ تیز اور ذہین تو اس قدر تھے کہ ایک شخص نے

(۱) حدیث کے علم کو جاننے والے (۲) نئی نئی باتیں اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں (۳) یہ بات نہیں کہ جس کے پاس آئینہ ہو وہ سکندری بھی جانتا ہو"۔

کنز شروع کرانے کی درخواست کی، راضی ہوگئے۔ انہوں نے شروع کی، پہلے دن دس ورق پڑھائے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا بس، کہنے لگے ابھی سے بس، بھولے اس قدر تھے کہ مولوی محبوب علی صاحب جامع مسجد میں وعظ کہا کرتے تھے آواز ذرا پست تھی۔ انہوں نے بھی ان کا وعظ سنا۔ وعظ سن کر بہت پسند کیا۔ مگر ان کی آواز پر رحم آیا۔ گھر آ کر خدا سے دعا کی اے اللہ ان کی آواز کو بلند کردے۔ اس کے بعد فوراً ان سے پوچھوا بھیجا کہ آپ کی آواز کچھ بلند ہوئی یا ابھی نہیں۔ کس قدر ناز ہے کہ دعا کرتے ہی دریافت کرتے ہیں کہ آواز بڑھی بھی یا نہیں۔ سو یہ مولوی محمد عمر صاحب ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں تشریف لائے چند آدمی حدیث پڑھ رہے تھے۔ آپ بھی وہاں جا کر بیٹھے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ لوگ غیر مقلد ہیں فرمایا ہمیں ان کی غیر مقلدی سے کیا لینا ہے ہم تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سننے آئے ہیں ان میں سے ایک شخص نے حدیث پڑھتے پڑھتے کہا۔ امام صاحب نے حدیث کے خلاف کیا۔ بس یہ سنتے ہی آگ لگ گئی کہنے لگے کہ تمہارا یہ منہ ہے کہ تم امام صاحب پر اعتراض کرو۔ اور غصہ ہو کر اٹھ گئے کہ چلو بھئی یہاں سب بددین جمع ہیں تو واقعی ان حضرات پر اعتراض کرنے کے لئے منہ چاہئے۔

مجتہدین کا ادب

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ کسی حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تمسک کا جواب دیا۔ تو ایک طالب علم غایت سرور سے کہنے لگے کہ حضرت اگر امام شافعیؒ بھی ہوتے تو وہ بھی مان جاتے مولانا کو یہ سنتے ہی بہت تغیر ہوا۔ فرمایا کہ میں کیا چیز ہوں اگر امام شافعیؒ ہوتے مجھ سے بولا بھی نہ جاتا اور میں تو ان ہی کا مقلد ہوتا۔ حضرت اتنا ادب ہوتا ہے مجتہدین کا۔ تو اجتہاد سہل بات نہیں ہے۔

مجتہدین کا بلند مقام

حدیث یاد کر لینا اور بات ہے اجتہاد اور بات ہے یہ فقہاء ہی کا حصہ ہے جس

کے متعلق حدیث میں ہے من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (۱) یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے۔ ان کو ایسی سمجھ دی گئی تھی کہ انہوں نے ایسے اصول بنائے جو آج تک نہیں ٹوٹے۔ چنانچہ انہوں نے ایک قاعدہ بیان کیا جس سے بحث مقام کا راز نکلے گا اور وہ یہ ہے کہ بعض احکام میں سبب حکم کو علت حکم کی قائم مقام کردیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے پہلے اس پر غور کیا کہ سفر میں قصر کیا علّت ہے معلوم ہوا کہ علت قصر کی مشقت ہے لیکن حقیقت مشقت کا معلوم کرنا بعض جگہ دشوار تھا اس لئے اس کے سبب یعنی سفر کو قائم مقام علّت یعنی مشقت کا کردیا۔ مگر یہ علّت سمجھنا یا سبب کو علّت کی جگہ رکھنا یہ کام فقہاء ہی کا تھا باقی ہمیں جائز نہیں نہ علّت نکالنا نہ اس میں ایسا تصرف کرنا ایک تو اس لئے کہ ہم میں وہ فہم نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء تو اس لئے علّت نکالتے تھے کہ حکم کا تعدیہ کریں ہمیں حکم کا تعدیہ تھوڑا ہی کرنا ہے اور اس وقت اجازت دینے میں ایک خرابی یہ ہے کہ الحاد کا دروازہ کھلتا ہے۔ آجکل یہ مرض بہت پھیل گیا ہے کہ ہر حکم کی علت اپنے جی سے تراشتے ہیں۔ چنانچہ ڈاڑھی رکھنے میں کیا حکمت ہے اور نماز پڑھنے میں کیا حکمت ہے، روزہ رکھنے میں کیا حکمت ہے۔ اور اس کا نام انہوں نے فلاسفی رکھا ہے تو یہ فلاسفی گھڑنا جائز نہیں کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو حکمت ہم نے تراشی ہے وہ مدار حکم ہے تو جہاں یہ مدار حکم نہ ہوگا، حکم نہ ہوگا۔

آج کل کے مجتہدین کا حال

ایک شخص نے وضو کی حکمت سمجھائی اور تھوڑی دور تک خوب سمجھائی کہ کیسی رعایت کی ہے کہ وضو میں اطراف دھونا مقرر کئے ہیں جو چھ ہیں اور جہات بھی چھ ہی ہیں۔ اور یہ سب جہات سے محیط ہیں اور چونکہ عرب میں اکثر یہی اعضاء کھلے رہتے تھے جن پر گرد وغبار اور پیشاب مواشی (۲) کی چھینٹیں پڑی رہتی تھیں اس لئے صرف اُن کے دھلوانے پر اکتفا کیا۔ اب آگے ٹھوکر کھائی کہ کہا کہ جب علّت یہ

(۱) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا الفقہ فی الدین: رقم الحدیث: ۷۱ (۲) جانوروں کے پیشاب۔

ہے تو اب چونکہ ہم آئینہ دار بنگلوں میں رہتے ہیں یہاں گردوغبار کہاں اس لئے ہمیں وضو کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ کمبخت بے وضو ہی نماز پڑھتا رہا۔

اور لیجئے روزہ کیوں فرض ہوا کسر قوت بہیمیہ (۱) کے لئے۔ چونکہ ہم نے تعلیم کی وجہ سے اپنے نفس کی تہذیب کرلی ہے۔ اس لئے اب ہمیں روزہ رکھنا تحصیل حاصل ہے (۲) نماز تواضع کے لئے فرض کی گئی ہے کیونکہ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ فرمایا ہے اور ہم میں پہلے ہی سے تواضع ہے اس لئے نماز کی ضرورت نہیں سو فقہاء نے تو اس واسطے علتیں نکالی تھیں کہ ایک حکم بہت جگہ متعدی ہوسکے، اور انہوں نے اس واسطے نکالیں کہ حکم کہیں بھی باقی نہ رہے۔ میں اسی سے حکمتیں بیان کرتے ڈرتا ہوں کہ لوگ انہیں مدار حکم سمجھ لیتے ہیں گو ہم طالب علموں کو ایسی حکمتیں سب معلوم ہیں۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مولوی حکمتیں نہیں جانتے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کرتے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۳)

کوئی ایسی بات نہیں کہ مولویوں کے پاس نہ ہو۔ بہرحال میں اس وقت بیان کرتا ہوں چونکہ اہل علم کا مجمع ہے اس لئے مضر نہ ہوگا بلکہ اور جی لگے گا اعمال میں تو فقہاء تعدیہ (۴) کے لئے بیان کرتے تھے میں تادیہ کے لئے بیان کرتا ہوں۔

حکمتوں کا منشاء

ہمیں اپنی حکمتوں کے متعلق یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم انہیں حکم کا منشاء نہ سمجھیں بلکہ حکم کو اُن کا منشاء سمجھیں۔ کیا معنی کہ حکم متضمن ہے بہت سی حکمتوں کو، منجملہ ان کے یہ بھی ہے، تو اتنا فرق ہے ہماری اور فقہاء کی حکمتوں کی تخریج میں کہ

(۱) انسان میں موجود قوت حیوانیہ کو توڑنے کے لئے (۲) بیکار (۳) ''مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکارا ہوجائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ نہ معلوم ہو'' (۴) فقہاء یہ حکمتیں اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ ایک عمل کے حکم سے کسی دوسرے عمل کے حکم کو معلوم کرسکیں۔

ان کی حکمت منشاء ہے حکم کا، اور ہماری حکمت کا منشاء حکم ہے بہرحال فقہاء کی تمیز تو دیکھئے کہ کتنی بڑی بات نکالی جس کا ذکر آتا ہے اور اتنی بڑی بات نکال کر پھر غلطی سے محفوظ رہے۔ دوسرا ہوتا اور ایسی حکمت نکالتا تو اس غلطی سے بچنا اس کو ایسا ہی دشوار ہوتا جیسا کسی نے کہا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش (۱)

فقہاء کی دقت نظر

یہ فقہاء قعر دریا میں پھنسے اور خشک نکل گئے یعنی انہوں نے دیکھا کہ سفر اور قصر میں کیا تعلق ہے معلوم ہوا کہ چونکہ سفر میں مشقت ہے اس لئے قصر ہونا مصلحت ہے دیکھئے یہاں یہ دریا میں گرے مگر تر دامن نہیں ہوئے۔ یعنی یہاں سخت غلطی کا موقع تھا وہ موقع یہ تھا کہ جب سفر میں مشقت نہ ہو تو قصر بھی نہ ہو۔ اگر آجکل کے سفہاء (۲) ہوتے تو واقعی ایسا ہی کرتے پھر اس سے جو کچھ تشویش وخلجان (۳) ہوتا، ظاہر ہے مشقت ایسا امر خفی اور غامض (۴) تھا کہ اس کے تشخیص ہی میں اکثر تردد رہتا۔ مگر وہ تو فقہاء ہیں، دریا میں ہیں، اور دامن بچا کر الگ ہوگئے کہ گو علّت قصر مشقت ہے مگر اس کا قائم مقام اس کے سبب (یعنی سفر) کو سمجھ لیا۔ اب سفر شرعی (۵) میں اگر مشقت نہ بھی ہو تو قصر کرنا پڑے گا۔ جیسا آجکل ریل کی وجہ سے کسی کو بھی مشقت نہیں رہی۔ سبحان اللہ کیا فہم تھا۔ اگر یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتے تو مخصوصین ومقربین میں ہوتے۔ کیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو سمجھا اور گمراہی سے بچ گئے۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کرامت سے کلکتہ پہنچ جائے تو قصر ہوگا یا نہیں فرمایا ہوگا کیونکہ وہ مسافت قصر پر پہنچ گیا ہے۔ گو مشقت نہ ہو۔ تو اسی فہم

(۱) ''دریا کی گہرائی میں تختہ میں باندھ کر مجھے ڈال دیا ہے اور اس کے بعد پھر یہ کہتا ہے کہ ہوشیار رہنا دامن بھیگنے نہ پائے'' (۲) بے وقوف (۳) پریشانی ہوتی (۴) مشقت کا تحقق ایک پوشیدہ اور گہری بات ہے (۵) جس کی مسافت اڑتالیس میل ہے۔

کی بدولت کہیں شرائع میں خلل نہیں ہونے پاتا اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو کچھ ان حضرات نے سمجھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کے خلاف نہیں۔اس کی تحقیق نقلی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام کا مدار سیرت سفر ہی کو جا بجا فرمایا ہے اور تحقیق عقلی یہ ہے کہ فقہاء یہ سمجھے کہ اصل حکمت اس حکم کی تیسر(۱) ہے پس اگر مدار حکم کا مشقت حقیقیہ ہوگی تو تعسیر (دشواری) ہوجائیگی کیونکہ یہ معلوم کرنا بڑا دشوار ہوگا کہ ہمیں مشقت اس درجہ کی ہوئی کہ قصر کریں یا نہیں ہوئی کہ نہ کریں پس مشقت حقیقت کا مدار سمجھنے میں اصل موضوع ہی فوت ہوجائے گا یعنی یسر۔امام صاحب کے اکثر ایسے ہی دقائق ہوتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دقت نظر

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی نمازی کے سامنے گذرے تو اُسے ہٹاؤ اگر نہ ہٹے فلیقاتلہ اس سے قتال کرو۔بعض اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں،حنفیہ اسے زجر پر محمول کرتے ہیں کیونکہ اس حکم کی علت پر غور کرو کہ کیا ہے؟ علت اس کی حفاظت ہے جمعیت صلوٰۃ(۲) کی،اور یہ ایک صفت ہے صلوٰۃ کی،اور ذات یقیناً قابل حفاظت ہوتی ہے صفت سے،پس اگر یہاں صفت کی حفاظت کے لئے جھگڑو گیتو نماز ہی ٹوٹ جائے گی،تو یہ عقل کے خلاف ہے کہ شارع صفت کا اس قدر اہتمام کریں کہ ذات کی بھی پروانہ رہے۔سبحان اللہ امام صاحب کی کیسی گہری نظر ہے اہل ظاہر کی نظر اتنی عمیق (گہری) نہیں اسی وجہ سے امام صاحب پر اعتراضات کرتے ہیں۔

اقامت صلوٰۃ کی علت

بہرحال فقہاء کے اس قول پر تصوف کا وہ راز منطبق ہوگیا کہ اقامت صلوٰۃ کی علّت ذکر اللہ ہے اور ذکر صلوٰۃ سبب ہے ذکر اللہ کا لہٰذا یہ سبب قائم مقام

(۱) سہولت (۲) نماز میں یکسوئی۔

اس علت کے ہوگا۔ جس طرح فقہاء نے بیان کیا ہے کہ مشقت علت ہے قصر کی اور سفر سبب ہے مشقت کا، اس سبب کو قائم مقام کر دیا علت کا۔ اسی طرح ذکر اللہ علت ہے اقامت صلوٰۃ کی اور ذکر صلوٰۃ سبب ہے ذکر اللہ کا تو ذکر صلوٰۃ اس طرح سے قائم مقام علت کا یعنی ذکر اللہ کے ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام دونوں کو ایک ہی درجہ میں سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں مقبلاً علیھما بقلبہ اورحق تعالیٰ کا ارشاد ہے لذکری۔

ہائے جولوگ حدیث کونہیں مانتے وہ بڑی مصیبت میں ہیں ان کو چاہیے کہ ذکر اللہ کی حقیقت حاصل کریں کیونکہ قرآن میں تو وہی مامور بہ ہے(۱) توجہ الی صلوٰۃ کو کافی نہ سمجھیں کیونکہ یہ کفایت تو مدلول حدیث (۲) کا ہے، غرض کس قدر رحمت ہے کہ ذکر صلوٰۃ بجائے ذکر اللہ کے ہوگیا۔ اور ذکر الصلوٰۃ زیادہ دشوار نہیں ہے۔ پھر ہم جو اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اُس عملی کوتاہی کا اصلی سبب ہماری علمی کوتاہی ہے یعنی اصل کوتاہی ہماری یہ ہے کہ ہم ذکر صلوٰۃ کے معنی نہیں سمجھے۔ اس لئے ہمیں دشوار معلوم ہوتا ہے۔

ذکر صلوٰۃ کے معنی

ہم اس کے معنی یہ سمجھے کہ صرف نماز ہی کا دل میں خیال رہے اور کسی کا خطرہ دل میں نہ آوے۔ نہیں! بلکہ یہ معنی ہیں کہ صرف نماز ہی کا خیال دل میں رہے اور کسی شے کا خطرہ دل میں خود نہ لاوے۔ آوے تو آنے دو تم خود کوشش کر کے نہ لاؤ۔ کوشش کر کے تم فقط نماز کا خیال لاؤ اس کے بعد خود بخود جو خیالات آئیں انہیں آنے دو۔ تم اُن کے روکنے کے مکلّف (۳) نہیں ہو اور نہ روک سکتے ہو، اسے اس طرح سمجھو کہ ایک شخص سے کوئی معشوق یوں کہے کہ فقط ہم ہی کو دیکھنا اور کسی کو نہ دیکھنا اُس نے اُس کو دیکھنا شروع کیا اتفاق سے محاذات شعاع (۴) میں ایک کبوتر اڑتا ہوا گیا اس لئے اس پر

(۱) قرآن میں تو اسی کا حکم ہے (۲) مدلول اس پر دلالت کر رہی ہے (۳) تمہیں ان کو روکنے کا پابند نہیں کیا گیا (۴) نظروں کی محاذات میں۔

بھی نظر پڑ گئی تو کیا معشوق یہ کہے گا کہ تم نے ہماری مخالفت کی، ہرگز نہ کہے گا کیونکہ یہ شخص تو اس کے درپے نہ ہوا تھا وہ خود اس کے آگے آ گیا۔ بقول مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے ایک رسالہ میں مولانا نے غیر مقلدوں کا رد کیا ہے تو اس میں ان کے اس الزام کا کہ مولانا تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں عجیب لطیف رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مولانا تو ان کے پیچھے نہیں پڑے وہ خود ہی آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح خطرات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو تمہارے آگے کھڑے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے تم پیچھے پڑے رہتے ہو۔ اس میں اہلِ ظاہر کو سخت غلطی ہوتی ہے کہ وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور اسی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب ذکر و خشوع بہت مشکل ہے۔ مشکل نہیں نہایت سہل ہے۔ میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ یہ مسئلہ تو معلوم ہے کہ نماز بغیر نیت کے نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہے کہ نیت زبان سے نہیں ہوتی بلکہ یہ قلب کا فعل ہے کہ اس کی طرف دل میں توجہ کرنا کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ بس یہی حقیقت ہے ذکر صلوٰۃ کی جس طرح شروع میں نیت کے وقت اس کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اگر تمام نماز میں ایسی ہی توجہ رہے تو ذکر صلوٰۃ حاصل ہو گیا کہ ذکر صلوٰۃ کس قدر سہل ہے۔

حضور قلب فی الصلوٰۃ کی حقیقت

ایک عبادت اس صلوٰۃ میں خصوصاً تراویح میں اور ویسے بھی رمضان میں قرآن ہے اس کی طرف توجہ کرنے کی حقیقت بھی بتلائے دیتا ہوں۔ دیکھو اگر کسی حافظ کو کوئی رکوع کچا یاد ہو تو اسے کیونکر پڑھے گا۔ خوب دھیان سے پڑھے گا۔ یہی حاصل ہے توجہ الی القرآن کا۔ پس جس طرح ایک رکوع پڑھتے ہو بیسوں رکعت اسی طرح پڑھ لیا کرو۔ یہی معنی ہیں حضور قلب فی الصلوٰۃ (نماز میں حضور قلب) کے اگر کوئی کہے کہ یہ تو تم نے گڑھ لئے۔ نہیں شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور قلب فی الصلوٰۃ و فی القرآن کی یہی حقیقت لکھی۔ اب

بتلاؤ کیا مشکل ہے حضور قلب سے نماز پڑھنا۔ بس اتنا ہی تو کرنا پڑے گا۔ جو خیال نیت کے وقت دل میں تھا اسے پوری نماز میں رکھو اور کیا مشکل ہے حضور قلب سے قرآن پڑھنا۔ بس اتنا ہی تو ہے کہ جو کیفیت تمہارے کچے رکوع کے پڑھنے کے وقت ہوتی ہے اسے بیسوں رکوع میں رکھو، اب بھی اگر کسی سے حضور قلب نہ ہو تو یہ اس کی کوتاہی ہے۔ بہر حال اس تقریر میں اہل ظاہر کی اصلاح یہ ہے کہ وہ نماز و قرآن کو خیال سے پڑھیں اور اہلِ باطن کی اصلاح یہ ہے کہ خواہ مخواہ اس کے درپے ہوتے ہیں کہ خطرات نہ آئیں۔ حقیقت تو اسی قدر ہے جو میں نے بیان کی۔ اپنی طرف سے حاشیہ نہ چڑھاویں کیونکہ کب تک چلے گا۔ نفس چند روز مقید رہے گا۔ اس کے بعد گھبرا کر شتر بے مہار (۱) کی طرح اس قدر آزاد ہو جائیگا کہ پھر تمہارے قبضہ سے نکل جائے گا۔ اب جو تم یہ کروگے کہ خطرات نہ آویں تم انہیں روکو گے چار پانچ روز روکے رہیں گے اس کے بعد پھر سب بھر مار (۲) ہو جائیں گے۔ کیونکہ پہلے تو یہ تھا کہ آتے تھے اور نکل جاتے تھے۔ اب تم نے سب کو دل کے دروازہ پر جمع کرلیا ہے۔ جب دروازہ کھلے گا ایک دم سے بھر ماریں گے پھر نکلتے نکلتے بھی کئی مہینے لگ جائیں گے، یہ کوئی شاعری نہیں ہے تجربہ کی بات کہتا ہوں۔ چنانچہ تم بھی تجربہ کرکے دیکھ لو تو ڈاٹ (۳) نہ لگاؤ یوں ہی رہنے دو۔

روح نماز کی حقیقت

بہر حال یہ ہیں عقائق واقعیہ اور یہ ہیں حقائق سہلہ اور یہ ہیں معنی الدین یسر (دین آسان ہے) تو یہ ہے روح قرآن و روح صلوٰۃ جو اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی (میری یاد کے لئے نماز قائم کرو) میں مذکور ہے اس کو اس طرح سمجھو کہ قراءۃ قرآن جز و صلوٰۃ ہے تو جو روح صلوٰۃ کی ہوگی وہی روح اس کے سب اجزاء اور جز و قراءت کی بھی ہوگی بلکہ یہ تو نماز کا اتنا بڑا جزو ہے کہ اس کے قائم مقام کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی اور ارکان کے تو قائم مقام ہیں۔ اس کا کوئی قائم مقام نہیں حتی کہ جس کو قراءت نہ آتی ہو تو اس کو تکبیر

(۱) ایک ساتھ کثرت سے نکلیں گے (۲) آزاد اونٹ کی طرح (۳) بند اور رکاوٹ نہ لگاؤ۔

وتہلیل پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جس سے ان کا قائم مقام قرآن ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ مگر دیکھئے یہ تکبیر وتہلیل بھی اجزائے قرآن میں سے ہیں کیونکہ فرماتے ہیں: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَر (اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے) دیکھئے تکبیر اس میں موجود ہے الحمد للّٰہ بہت جگہ آیا ہے، سبحان اللّٰہ بھی وارد ہے۔ پس جب اتنا بڑا جزو ہوا تو اس کی روح بھی وہی ذکر ہوگی اور اس تقریر سے نماز کی خصوصیت تو رمضان کے ساتھ ثابت ہوگئی۔

رمضان میں تلاوت قرآن

اب قرآن کی رہ گئی تو قرآن کو شروع ہی سے رمضان سے خصوصیت ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۱)۔ (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا ہے) اس سے خصوصیت باعتبار نزول کے ثابت ہوئی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے دَورِ رمضان ہی میں کرتے تھے۔ نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ رمضان میں ایک قرآن ختم کرنا تراویح میں مسنون ہے۔ نیز ان تمام نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت رمضان میں زیادہ مطلوب ہے۔ یہ خصوصیت تو تشریعی ہے۔ تکوینی خصوصیت یہ ہے کہ اس ماہ میں ہر شخص خود بخود قرآن کی طرف راغب ہوجاتا ہے اس لئے میں ذاکرین کے واسطے بھی اس ماہ میں اسے ذکر سے افضل سمجھتا ہوں میرا یہ مطلب نہیں کہ ذکر نہ کریں وہ بھی کریں مگر زیادہ تر قرآن کی تلاوت کریں کیونکہ ذکر تو بارہ مہینے یکساں ہے اور رمضان میں قرآن پڑھنے میں میں خاص برکات نازل ہوتی ہیں جس طرح مکہ مکرمہ میں جا کر طواف بکثرت کرنا چاہیئے۔

اور عبادات کو بھی کرنا چاہیئے۔ مگر طواف سب سے زیادہ اسی طرح رمضان میں قرآن، یہ عبادتیں ہیں رمضان کی۔ پس ان عبادتوں کو اُن کی صورت وروح کے ساتھ ادا کیا کرو یعنی توجہ کے ساتھ کیا کرو۔ بہرحال یہ ہے روح صلوٰۃ کی جس کو حق تعالیٰ فرمارہے ہیں اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (میری یاد کے لئے نماز کو قائم کرو) اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اب حق تعالیٰ سے توفیق عمل کی دعا کرو۔ آمین۔

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۱۸۵۔

ضمیمہ روح القیام

بعد نماز عصر:

اس وقت نماز پڑھتے میں ایک شبہ کا جواب منجانب اللہ قلب میں آیا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نماز پڑھنے میں جو کچھ قلب پر وارد ہوتا ہے صحیح ہوتا ہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب ذکر کے دو مرتبے ہیں ایک اعلیٰ کہ ذکر مذکور، اور ایک ادنیٰ کہ ذکر ذکر ہے اور یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا۔ تو معاذ اللہ ہماری طرح کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نماز کی طرف توجہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر کسی چیز کی طرف پوری توجہ ہو تو سہو کے کوئی معنی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ واقعی سبب سہو کا عدم توجہ الی الصلوٰۃ (نماز کی طرف توجہ نہ کرنا) ہے مگر اس عدم توجہ الی الصلوٰۃ (نماز کی طرف توجہ نہ کرنا) کے سبب دو ہیں ایک توجہ الی ما فوق الصلوٰۃ (نماز سے مافوق مرتبہ کی طرف توجہ کرنا) یعنی توجہ الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا) جو ذکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہ شان تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ دوسرا توجہ الی مادون الصلوٰۃ (نماز سے ادنیٰ مرتبہ کی طرف توجہ کرنا) جس میں ادنیٰ درجہ بھی ذکر کا نہیں اور یہ حالت ہے ہماری، کہ غفلت میں مبتلا ہیں۔ پس آپ کا متوجہ الی الصلوٰۃ نہ ہونا اور ہے ہمارا اور ہے اور سہو دونوں کا خاصہ مشترکہ ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر (۱)

بہرحال یہ وہ شبہ تھا جو برسوں سے دل میں کھٹک رہا تھا۔ مگر الحمدللہ آج بالکل صاف ہوگیا۔

ثم کتب الی حِبّی المولوی ظفر أحمد إنه وجد موافقةً فی کتب

(۱) ''پاک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر قیاس مت کرو''

السلف ونقل ما نصه ذکر العلامة الطحطاوی فی اواخر السجود السهو ما نصه وسهو نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم کان لمقام شغله ۔ باللّٰه تعالیٰ عن الصّلٰوة وفی هذا المعنی قیل ؎

یا سائلی عن رسول اللّٰه کیف سها　　والسهو عن کل قلب غافل لاهی
قد غاب عن کل شئی سره فسها　　عما سوی اللّٰه فی التعظیم للّٰه

''پھر مجی مولوی ظفر احمد صاحب نے مجھ کو لکھا کہ میں نے اس کی تائید کتب سلف میں پائی ہے چنانچہ علامہ طحطاوی نے سجود سہو کے اواخر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے تھا اس بارے میں کہا گیا ہے ''اے مجھ سے دریافت کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہ آپ کو نماز میں کس طرح سہو ہو گیا حالانکہ سہو قلب غافل اور لہو ولعب کرنے والے کا کام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شے سے آپ کی روح غائب ہوگئی سو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے ماسوی اللہ کو بھول گئے''(۱)

(۱) علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں سہو ہونے کی جو وجہ حضرت تھانوی نے بیان کی تھی اس کی تائید میں طحطاوی کی یہ عبارت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش حضرت تھانویؒ نے وعظ پر نظر کرتے وقت اس عبارت کو وعظ کا حصہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس وعظ میں مذکور مضامین سے تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۷ فروری ۲۰۱۸ء